اکتوبر ۸۲

ماہنامہ

الله

قل هو الله احد الله الصمد لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفوا احد

غلام مصطفیٰ

معرفت

افتخار حسین صاحب

جلد ۳ ✤ ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ بمطابق اکتوبر ۱۹۸۲ء ✤ شمارہ ۱۲

سرپرست اعلیٰ

حضرت العلام مولانا اللہ یار خان صاحب مدظلہ

مدیر مسئول

حافظ عبدالرزاق ایم اے عربی اسلامیات

مجلس ادارت (اعزازی)

- پروفیسر بنیاد حسین نقوی بی اے آنرز ایم اے
- مولانا محمد اکرم ملک منارہ (جہلم)
- پروفیسر باغ حسین کمال ایم اے

بدل اشتراک

زر سالانہ	۳۵ روپے
ششماہی	۱۸ 〃
فی کاپی	۳ 〃

سول ایجنٹ
مدنی کتب خانہ
گنپت روڈ — لاہور

دین
اصلاح
اور
علم
تصوف
و
سلوک
کا
ماہنامہ
مجلہ

اس شمارہ میں

اداریہ	مدیر
اسرار التنزیل	حضرت مولانا محمد اکرم
حضرت الاستاذ الکرم کا دورۂ ایبٹ آباد	ابو عامر امیر حیات
صحابہ کرامؓ ۔ حضورؐ کے جانثار ساتھی	حافظ غلام قادری ایم ۔ اے
سنت نبویؐ اور ہماری زندگی	پروفیسر باغ حسین کمال
تصوف اور اسکی حقیقت	فیض الرحمان اسلام آباد
تاریخ وصال حضرت امام شافعیؒ	صاحبزادہ قاری کفایت احمد رتوی
شرح احوال و آثار مفتی غلام سرور لاہوری	ڈاکٹر محمد اختر چیمہ
حدیث نبویؐ	حافظ عبدالرزاق ایم ۔ اے

رابطہ :

رابطہ
ماہنامہ دارالعرفان ۔ منارہ
ضلع (جہلم)

المرشد

حافظ عبدالرزاق پبلشر نے منہاج الدین پرنٹر اسلامی شرکت پرنٹنگ پریس انسبت روڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ المرشد حسنات منزل چکوال جہلم سے شائع کیا گیا۔ رابطہ: دارالعرفان منارہ ضلع جہلم۔

ماہنامہ المرشد چکوال۔ ماہ ذوالحجہ ۱۴۰۲ھ

اداریہ

افراد کے مل جل کر رہنے سہنے سے معاشرہ وجود میں آتا ہے جس سیرت و کردار کے افراد ہوں اسی قسم کا معاشرہ تشکیل میں آتا ہے۔ پُرامن اور عمدہ معاشرہ کے وجود میں آنے کے لیئے عمدہ سیرت کے افراد کا جمع ہونا ضروری ہے، فرد کی عمدہ سیرت کی تعمیر کے لیئے بنیادی طور پر تین اوصاف ضروری ہیں یعنی فکر صحیح، جذبۂ صحیح اور عملِ صحیح۔ نظریہ اور عقیدہ کے اختلاف کی بنا پر فکر جذبہ اور عمل کی صحت کا معیار متعین ہوتا ہے، ایک خالص مادہ پرست یا قومیت پرست، وطن پرست یا خدا پرست کا معیار یقیناً ایک جیسا نہیں ہوسکتا۔

مسلمان کے نزدیک اپنے مخصوص عقیدہ اور نظریہ کی بنا پر صحت کا معیار وہی ہوسکتا ہے جو وہ خود اپنی پسند سے نہیں بلکہ اللہ و رسولؐ کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے اختیار کرلے۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اللہ و رسولؐ نے ایک مسلمان کو کونسا معیار دیا ہے اسلام کے نزدیک فکر صحیح کی حقیقت یہ ہے کہ مسلمان اپنی زندگی کے دو حصوں پر نگاہ رکھے ایک حصہ دنیوی زندگی ہے جو عارضی اور چند روزہ ہے مگر یہ عرصہ اس دار العمل میں گزارنا ہے، اور اس حصے کا تعلق اُخروی زندگی سے اس قسم کا ہے کہ یہاں رہتے ہوئے جو عمل کیا ہے اس کی جزا صلہ یا بدلہ آخروی زندگی میں لازماً ملے رہنا ہے، جو ابدی نوعیت کی ہے اس لیے وہاں کی راحتیں اور تکلیفیں بھی اسی نوعیت کی ہیں۔ اس لئے فکر صحیح یہ ہے کہ مسلمان دنیوی زندگی میں جو کام بھی کرے یہ دیکھ لے کہ اس کا اثر میری اُخروی زندگی پر کیا پڑے گا وہ یہاں اپنی عملی زندگی سے اپنی آخرت سنوار رہا ہے یا بگاڑ کی صورت پیدا ہو رہی ہے اگر وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی گھریلو اور تمدنی، سیاسی اور تجارتی زندگی بلکہ کسی بھی پہلو میں کام کرتے وقت آخرت کی بہتری کو مدِنظر رکھتا ہے تو وہ فکر صحیح کی دولت سمیٹ رہا ہے۔

قرآن کریم میں اس سلسلے میں یہ اشارہ ملتا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

"جو شخص آخرت کی کھیتی کا طالب ہو ہم اس کو اس کی کھیتی میں ترقی دیں گے اور جو دنیا کی کھیتی کا طالب ہو تو ہم اس کو کچھ دنیا میں دے دیں گے اور آخرت میں اس کے لیئے کچھ حصہ نہیں ہو۔ (۴۲ : ۲۰)

دوسرے مقام پر ارشاد ہے کہ۔

"جو شخص دنیا کی راحت اور عیش کے لیئے جدوجہد کرے ہم اس کو اسی دنیا میں اس کی محنت کا بدلہ دے دیتے ہیں، مگر ایسے لوگوں کو آخرت میں جہنم کی آگ کے بغیر کچھ نہیں ملے گا۔"

اور ان کا کیا دھرا اکارت جائے گا۔" (۱۱ : ۱۵، ۱۶)

لہٰذا ایک مسلمان کے لیئے فکرِ صحیح کا معیار یہ ٹھہرا کہ اپنے ہر عمل سے پہلے یہ سوچ لے کہ اس سے اس کی آخرت بنے گی یا بگڑے گی۔"

جذبۂ صحیح کا معیار" ابتغاء مرضات اللہ" ہے یعنی جذبہ یہ ہو کہ اسے اللہ کی خوشنودی اور رضا حاصل ہو اس جذبہ سے جو کام بھی کرے گا اس میں اس کے پیشِ نظر اپنا ذاتی مفاد خود غرضی، جانبداری اور تعصب کی جگہ صرف یہ ہو گا کہ وہ کام کروں اور اس طریقہ سے کروں کہ اللہ تعالےٰ راضی ہو۔ اگر اس جذبہ سے ہٹ کر کسی اور مقصد کے لیئے کوئی کام کیا خواہ وہ کتنا ہی پسندیدہ ہو اللہ کے ہاں معیاری تصور نہیں ہو گا، اور خلوص و للّٰہیت کی جگہ اس کے اندر خود غرضی، مطلب پرستی، نام و نمود، زر اندوزی جاہ پرستی وغیرہ جذبات نشوونما پائیں گے۔

عمل صحیح سے مراد یہ ہے کہ ہر کام میں اللہ کے حکم کی تعمیل کرنا اور اس طریقہ سے تعمیل کرنا جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا ہے ہمیشہ پیشِ نظر رہے، اس طرح کام کرنے سے عملی زندگی کی جو صورت بنے گی وہ معیاری زندگی ہے

جس معاشرے کے افراد میں یہ تینوں وصف موجود ہوں وہ اسلامی معاشرہ اور مثالی معاشرہ ہو گا۔ اور ان اوصاف میں جس درجے کی کمی ہو گی اسی درجے میں وہ معاشرہ ناقص شمار ہو گا۔

ہمارے معاشرے میں جس پہلو میں اور جس درجے کا بگاڑ پیدا ہو چکا ہے اس کی اصل وجہ یہی ہے کہ معاشرے کے افراد میں فکر صحیح، جذبہ صحیح اور عمل صحیح ڈھونڈے سے نہیں ملتا (الا ماشاء اللہ)

قانون بنتے ہیں قانون کے نفاذ کے لیئے ادارے وجود میں آتے ہیں مگر آئے دن بگاڑ اور بے چینی میں اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے، اور یوں لگتا ہے کہ یہ اپنے انتہائی عروج پر پہنچ چکا ہے، قانون کا احترام دلوں سے اُٹھ چکا ہے اخلاق کا لفظ بے معنی ہو کر رہ گیا ہے، اور انسان اور درندے میں فرق ختم ہو گیا ہے۔

انگریز چلا گیا مگر ایک ایسا پیچیدہ قانون میراث کے طور پہ چھوڑ گیا ہے کہ کسی معاملے میں انصاف کے لیئے عمرِ خضر درکار ہوتی ہے، قوم نے اس سے پیچھا چھڑانے کی فکر پہلے دن ہی سے شروع کردی مگر بات بنتی نظر نہ آئی۔ ایک آواز آئی کہ قانون شریعت نافذ کردو، سب دلدّر دور ہو جائیں گے۔ مگر بوجوہ اس آواز کو دبانے کی کوشش ہوتی رہی، قوم نے دوسرے رُخ پر سوچنا شروع کیا، پاکستان بننے کے بعد ہر عشرے میں اس رخ پر پیش رفت ہوتی رہی آخر قوم نے وہ نسخہ کیمیا ڈھونڈ نکالا — یعنی ایسا قانون نافذ ہونا چاہیئے کہ نہایت سادہ مختصر اور آسان ہو اور اس قانون کا نفاذ اس سُرعت سے ہونے لگا کہ نہ تو اس کے لیئے قانون ساز مجلسوں کی ضرورت نہ تحریری ریکارڈ کی حاجت، نہ وکیل نہ دلیل، اور ہر فرد اس قانون کا حافظ اور ماہر، اور یہ قانون دو حرفوں سے مل کر بنا ہے ٹُم اور کُٹ یعنی "ٹُمک" اس اختصار کے باوجود اس کے اثرات کی وسعت کا یہ عالم کہ ٹم فرش سے شروع ہوتا ہے اور کٹ آخری منزل کی چھت پر جا پہنچتا ہے۔ جانبین کے لیئے اتنی آسانی ہے کہ کسی وکیل یا دلیل کی ضرورت نہیں صرف "ٹمک" کی قیمت کا اندازہ کرکے اس کا انتظام کرے، پھر جہاں چلا جائے چند لمحوں میں بڑے سے بڑے پیچیدہ مسئلے کا حل لے کے گھر آجائے۔

قانون ٹمک کے اس بہار آفریں منظر سے گو سینے ایمان کے نور سے خالی ہو رہے ہیں مگر جانبین کے مفاد پورے ہو رہے ہیں، البتہ قوم کا خزانہ زبانِ حال سے

کہہ رہا ہے کہ "اے ابرِ کرم برس سکتا کچھ تو ادھر بھی"

اس صورتِ حالات کے باوجود صدر محترم نفاذ شریعت کے لئے بڑی مستعدی سے کوشاں ہیں، گو ہم بوریا نشین اس کے قابل تو نہیں کہ ہم ان کو کوئی مشورہ دے سکیں مگر پوری دلسوزی کے ساتھ یہ کہنا ضرور چاہتے ہیں کہ ان حالات میں شریعت کا نفاذ تو قطعاً نہیں ہو سکتا، ہاں یہ ممکن ہے کہ انتہائی کوشش سے موجودہ حالات کے مطابق شریعت کا قانون۔ افراد کی ضرورت ہے جو فکر صحیح، جذبۂ صحیح اور عمل صحیح کے اوصاف سے متصف ہوں، نہ تو قوم بانجھ ہو چکی ہے نہ ملک بنجر ہے، ایسے افراد مل سکتے ہیں اور موجود ہیں صرف انھیں تلاش کر کے ان سے کام لینے کی جرأت درکار ہے۔ اور اس کی دو تدبیریں ہیں، ایک فوری دوسری طویل المدت منصوبہ بنانا، جہاں تک پہلی تدبیر کا تعلق ہے ہم صدر محترم سے عرض کریں گے کہ ملک کے تمام صوبوں کے سارے محکموں کے سربراہ اور فوج کے تمام ایسے افسر جن کے ہاتھوں میں کمانڈ ہو ان تین اوصاف کے اعتبار سے ان کا جائزہ لیا جائے۔ اگر بالفعل تمام صوبوں کے گورنر، تمام محکموں کے سیکرٹری تمام ضلعوں کے ڈپٹی کمشنر اور ایس پی کے عہدوں پر ان اوصاف سے متصف افراد مقرر کر دیئے جائیں تو شریعت کے نافذ کرنے میں کوئی دیر نہیں لگے گی۔ یہ جائزہ لیتے وقت فکر صحیح اور جذبۂ صحیح کی ایکٹنگ بھی کی جا سکتی ہے، کیونکہ بیان بازی کے فن میں کمال حاصل کر لینا کوئی مشکل بات نہیں البتہ عمل صحیح کی جانچ آسانی سے ہو سکتی ہے بقول اکبرؔ

اس کی باتوں سے تو نے اسے سمجھا خضر
اس کے پاؤں کو تو دیکھو کہ کدھر جاتے ہیں

طویل المدت منصوبے کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ (P.C.S) C.S.P کے انتخاب کرتے وقت سب سے پہلے امیدواروں میں ان اوصاف کی جانچ کی جائے، فوج میں P.M.A کے لیئے کیڈٹس کا انتخاب کرتے وقت اور سٹاف کالج اور وار کورس میں افسروں کے چناؤ میں بھی یہ معیار مدِ نظر رکھا جائے، سول اور فوج کے اعلیٰ عہدوں یعنی ۱۹ گریڈ اور اس سے اوپر اور لیفٹیننٹ کرنل اور اس سے بلند مناصب

[illegible]

کے لیئے معیار محض ظاہری رکھ رکھاؤ اور میل جول نہ ہو اس میں ایمان اور تقویٰ کو اہمیت دی جائے اگر دینی ذوق و شوق رکھنے والے افراد سول اور فوج کے اعلیٰ مناصب پر فائز ہوں تو معاشرے کو بدلتے دیر نہ لگے گی۔

ارکانِ دولتِ ملک کی بہتری یا بربادی دونوں میں اہم کردار ادا کرتے ہیں، محض صدر ریاست کا تقویٰ اس وقت تک کام نہیں آسکتا جب تک کہ ارکانِ مملکت اللہ اور رسول ؐ کے احکامات کی اتباع کو زندگی کا رویہ بنالیں اور خود کو عوام کا معبود بنوانے کی بجائے معبودِ حقیقی کے سامنے جھکنے کے لیئے تیار ہو جائیں، تکبّر، غرور، جاہ پسندی کے رویوں کو چھوڑ کر فروتنی تواضع اور خدمتِ خلق کو اپنائیں ؎

طریقت بجز خدمتِ خلق نیست
بہ تسبیح و سجّادہ و دلق نیست

(مدیر)

قارئین کی اطلاع کیلئے

ادارہ نقشبندیہ اویسیہ دارالعرفان

منارہ میں منتقل ہو چکا ہے، اس لئے آئندہ خط و کتابت اس پتہ پر کریں۔

پتہ:- ناظم ادارہ نقشبندیہ اویسیہ منارہ (ضلع جہلم)

پیشگی شکریہ! والسلام

خیر اندیش (حافظ عبدالرزاق)

اگر آپ لائف ممبر نہیں ہیں تو اگلے سال کا زرِ مبادلہ ارسال فرما کر ممنون فرمائیں

شرح مبادلہ

پاکستان میں ۳۵ روپے

غیر ممالک ۱۰۰ روپے

(مدیر)

وفیات!

(۱) محمد شفیق، لاہور (۲) محمد عبداللہ جلالی۔ راولپنڈی (۳) محمد یوسف جہلم

ان کے لیئے دعائے مغفرت کریں

مسلسل

مولانا محمد اکرم صاحب منارہ

اسرار التنزیل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَۃٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْھَآ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِہٖ کٰفِرُوْنَ وَقَالُوْا نَحْنُ اَکْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ ۔ قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ (سبا ۔ ۳۴-۳۶)

قرآن کریم کے معجزات میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ اسے جہاں سے پڑھنا شروع کر دو ۔ انسان کا مقصد حیات حصول مقصد کا ذرائع اور اس راہ کی رکاوٹوں کا بیان مل جائے گا ۔ مگر اسلوب بیان ہر جگہ نیا ہوگا ۔ ان آیات پر غور کرو ۔

انسانی نفسیات کی بنیادی بات یہ ہے کہ ہماری سوچ کی ایک حد ہے ۔ ہماری عقل ہماری کوشش اور ہماری محنت ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھتی اور وہ ہے جسم انسانی اس کی ضرورت اسکی آسائش اور اس کا آرام ۔ ہماری آنکھیں اس سے آگے بہت کم جھانکنے کی کوشش کرتی ہیں حالانکہ جس چیز کی وجہ سے یہ جسم کوئی قیمت رکھتا ہے وہ اصل قابل توجہ خود چیز ہے ۔ مگر اس کی حقیقت ، اس کی ضروریات تک براہ راست ذہن انسانی نہیں پہنچ سکتا ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے تقریباً تین سو برس کا جو زمانہ گزرا ہے اسے دور فترت کہتے ہیں ۔ اس میں کسی نبی کی کوئی آسمانی تعلیم باقی نہیں رہی تھی ۔ اگر کوئی آسمانی کتاب پائی جاتی تھی تو وہ اصل کتاب نہ تھی وہ اللہ کا کلام نہ تھا ۔ بلکہ مختلف انسانوں نے اپنے ذہن سے مضمون تیار کر کے اس پر اللہ کی کتاب کا لیبل لگا رکھا تھا اس دور میں بڑے بڑے فلاسفر ، حکماء ، شاعر ، ادیب ، طبیب پیدا ہوئے مگر قلب کی دوربین جسم اور اس کی آسائشوں تک رہی جسم کے اندر اصل انسان کے متعلق کسی نے کچھ نہ سوچا اور مخلوق کو خالق سے آشنا کرنے کیلئے کسی علم وفن کا کوئی ماہر منصۂ شہود پر نہ آیا ۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ اس دور میں ایسے ذہین لوگ ملتے ہیں جو اس کائنات کے نظام پر غور کرتے اور کہتے تھے کہ یہ نظام کتنا مربوط ہے ۔ سورج کا طلوع ہوتا ۔ ہواؤں کا چلنا ، بادلوں کا بننا ، بارش کا برسنا زمین کا اس پانی کو جذب کرنا اور اپنے سینے سے طرح طرح کے سبزے ، نفل اور درخت اگلنا کتنا مربوط سلسلہ ہے ۔ اور یہ کتنی کوتاہ اندیشی ہے کہ سورج کو فلاں دیوتا طلوع کرتا ہے ۔ بارش فلاں بت برساتا ہے ۔ کھیتی فلاں دیوتا اگاتا ہے ۔ تو پھر ان سارے دیوتاؤں کے عمل میں یکرنگی اور ربط کیسے پیدا ہو جاتا ہے ان میں اختلاف کیوں نہیں ہوتا ۔ یہ بات عقل اور مشاہدہ کے خلاف ہے ۔ لہذا لازماً کوئی ایسی ہستی ہے کوئی ایسی زبردست قوت ہے اور ہے بھی ایک ہی جو اس سارے نظام کو پوری ہم آہنگی کے ساتھ چلا رہی ہے ۔ لیکن وہ ہستی کون ہے ۔ یہ بتانے والا کوئی نہیں تھا

مکہ میں زید بن عامر کعبۃ اللہ کے پاس بیٹھا ہوتا تھا ۔ لوگ

بتوں کی پوجا کر رہے ہوتے تھے اور وہ بڑی حسرت سے کہتا تھا۔ اے اللہ میں اتنا جانتا ہوں تو فرد ہے اور تیرے ہی حکم سے کائنات کا نظام چل رہا ہے۔ درختوں کے شگوفے تیرے حکم سے پھوٹتے ہیں۔ اس زمین دوز کارخانہ سے رنگا رنگ کے پھول تیار ہو کر نکل رہے ہیں۔ حالانکہ زمین وہی پانی وہی بے رنگ بے ذائقہ اور ابھی یہ حال تھا کہ میلوں تک خاک اڑ رہی تھی اور اب یہ حال ہے کہ زمین سے سبز سبز گھاس نکل رہی ہے ہر تنکا گل بکف ہے۔ ہر پھول کا رنگ جدا ہے۔ خوشبو مختلف ہے تاثیر علیحدہ ہے۔ یہ کون کاریگر رنگینیاں پیدا کر رہا ہے۔ کون ان بکھرے ہوئے اجزا کو یکجا کرتا ہے جن اجزائے ارضی سے ایک تناور درخت پیدا ہو رہا ہے۔ وہیں ایک نرم و نازک بیل بھی اُگ رہی ہے۔ ان اجزا کو کون تقسیم کرتا ہے۔ کون ترتیب دیتا ہے ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ ایک درخت کسی مرحلے پر جا کر بیل بن جائے یا ایک بیل کہیں پہنچ کر درخت بن جائے۔ اس کارخانہ کا کنٹرول یقیناً تیرے ہاتھ میں ہے۔

مگر مجھے کون بتلائے کہ تو کہاں ہے۔ مجھے کون سکھائے کہ میں تیرے ساتھ رابطہ کیسے پیدا کر سکتا ہوں۔ تجھ سے محبت کیسے کر سکتا ہوں۔ کوئی فلاسفر کوئی حکیم کوئی ادیب تیرا پتہ نہیں بتا سکتا۔ تیری عبادت کا طریقہ نہیں سکھا سکتا یہ کہہ کر وہ کنکر اٹھا مٹھی میں لے کر اس پر پیشانی رکھ دیتا ہے اور کہتا تھا اللہ تیری عبادت کا طریقہ جو مجھے معلوم نہیں ہے میں کیا کروں۔

یہ دنیا اور اس کی رنگینیاں یکسر فراموش کرنے کے قابل نہیں مگر ان میں ہی محو ہو کر کھو جانا بھی کوئی قابل ستائش عمل نہیں کوئی شخص ایک نہایت اعلیٰ اور خوبصورت مکان تعمیر کرتا ہے مکان کا ہر حصہ اس کی ہر ضرورت کے لیے مختص ہوتا ہے حتیٰ کہ اس میں بیت الخلاء بھی لازماً بنواتا ہے اور جس معیار کا مکان ہو گا اسی معیار کا بیت الخلاء بھی ہو گا۔ مگر کوئی نہ تو یہ پسند کرتا ہے نہ عملاً ایسا کرتا ہے کہ بوریا بستر اٹھا کر بیت الخلاء میں ہی ڈیرہ ڈال دے اور یوڈی کلون سے اسے معطر کر کے خوش ہو جائے کہ کیا پرفضا جگہ ہے مگر یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ ضرورت کے وقت بھی بیت الخلاء میں داخل نہ ہونے پائے۔ اسی لیے یہ دنیا بڑی خوبصورت ہے اس میں آرام اور ضرورت کی ہر چیز دستیاب ہے یہ رہنے کی جگہ ضرور ہے مگر دل لگانے کی جگہ نہیں اسے ضرورت کے طور پر استعمال کرو مگر اصل مکان سے کٹ کر اسی میں محو نہ ہو جاؤ۔

آج کی دنیا کتنی حسین کتنی پرکشش ہے انسانی ذہن نے کس قدر ترقی کی ہے آسائش کے کیسے کیسے سامان ایجاد کیے ہیں مگر خالق کی صنعت اور مخلوق کی صنعت میں بڑا فرق ہے گھاس کا ایک تنکا خالق کی صنعت سے مٹی سے تو پیدا ہو سکتا ہے، اگر کوئی انسانی مشین ان صنعات اور ان اثرات و خواص کے ساتھ تیار نہیں کر سکتی نائلون کے باریک ترین تار بنائے گا ہوائی جہاز جیسی عظیم سواری تیار کرے گا مگر گھاس کا تنکا صرف زمین ہی سے پیدا ہو گا مشین سے نہیں بن سکے گا، یہ دنیا بھی اسی صناع کی صناعی کا نمونہ ہے حسین کیوں نہ ہو، اس میں رنگینی اور کشش کیوں نہ ہو مگر کم فہم اور کوتاہ اندیش انسان اس باتھ روم کو ڈرائنگ روم سمجھ بیٹھا ہے اور اس پہ خوش ہے کہ میں نے دنیا کی تمام سہولتوں سے بہرہ اندوز ہو کر مقصد زندگی پا لیا مگر ایسے المیے بھی دیکھنے میں آئے ہیں کہ تمام سہولتوں کے میسر آجانے کے باوجود لوگ خواب آور گولیاں کھائے بغیر آرام کی نیند سو بھی نہیں سکتے۔

اور یہ منظر بھی سامنے آتے ہیں کہ کسی نے عمر بھر بھی کوشش سے عیاشی کے سارے سامان جمع کر لیئے مگر ان سے لطف اندوز ہوتے کی فرصت نہ ملی اور ادھر سے بلاوا آگیا، بلکہ ایسے منظر بھی دیکھنے میں آتے ہیں کہ ہر قسم کا سامان عیش موجود ہے مگر اولاد اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی اجازت بھی نہیں دیتی مرنے کے بعد تو سب کچھ تقسیم ہوتا ہی تھا مگر آنکھوں دیکھے اس سے محروم کر دیا جاتا کتنی حسرت بھری زندگی ہے مگر اس انجام پر ہماری نگاہ نہیں ہوتی۔ ذرا اندرونی جاہ پسندی کی چربی آنکھوں پر چڑھی ہوتی ہے اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ کریم فرماتے ہیں وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَۃٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْھَآ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِہٖ کٰفِرُوْنَ یعنی جب سے کبھی میں نے مخلوق پر یہ احسان فرمایا کہ مخلوق کو جب میرا رستہ بتانے والا کوئی نہ رہا جب کبھی دنیا میں تاریکی اور ظلمت پھیل گئی تو پھر ہم نے اپنے کسی برگزیدہ بندے کو منتخب کر کے نبی بنا کر لوگوں کی طرف بھیجا تو خوشحال اور کھاتے پیتے لوگوں نے ہمیشہ یہ کہا کہ ہم تمہاری باتیں ماننے تو کیا سننے کے لیے بھی تیار نہیں، حق سے اس بیزاری کی وجہ یہی تو ہوتی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہماری کوئی ضرورت ایسی نہیں جو ہمیں حاصل نہ ہو، ضرورت تو ایک طرف ہر طرح کا عیش و عشرت کے سامان کی فراوانی ہے تو ایک پرائی مصیبت گلے میں ڈالنے کو کیوں آمادہ ہوں بس ہم ٹھیک ہیں ہمارے ہاں دولت کی ریل پیل ہے افرادی قوت کی کمی نہیں اولاد کی کثرت ہے، اگر ہم کوئی ایسے برے ہی ہوتے تو یہ سہولتیں ہمیں کیوں ملتیں اگر ہم آج عذاب کے مستحق نہیں تو کل کیوں عذاب کے حقدار ہوں گے۔

یہاں دو باتیں سمجھنے کی ہیں اول حق کی طرف دعوت دینے والا نبی ہے نبوت وہ منصب ہے کہ محنت کوشش ریاضت مجاہدہ سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ نبی ازل سے نبی ہوتا ہے اور یہ اللہ تعالے کی ربوبیت کا ایک پہلو ہے اللہ تعالے جہاں انسان کی جسمانی ضرورت کا سامان مہیا کرتا ہے وہاں انسان کے روحانی تقاضوں کو پورا کرنے کا اہتمام بھی فرماتا ہے نبی کی بعثت کی غرض یہی شانِ ربوبیت دکھانا ہے

دوسری بات یہ کہ دولت کی فراوانی ایک حقیقت پسند انسان کے لیئے تو واقعی نعمت ہے مگر اسی کھوپڑی کے آدمی کے لیئے گمراہی کا سبب بن جاتی ہے۔ اسی لیئے اللہ کریم متنبہ فرماتے ہیں کہ دولت کا فراواں ہونا اور نہ ہونا کسی کے ہدایت پر ہونے یا معتوب ہونے کی دلیل نہیں، بلکہ یہ ہماری تقسیم حکمت پر مبنی ہوتی ہے رزق عمر صحت سب ہمارے حکم کے تحت ملتی ہے کسی کے اقتدار، کسی کے زوال، کسی کی عزت کسی کی ذلت سب ہمارے قانون تکوینی کے تحت ہوتی ہے سب کام اپنے وقت پر ہوتے ہیں، ہماری طرف سے مقررہ وقت آنے پر سب کچھ چھوڑ کے لوگ چلے جاتے ہیں ہر حالت میں انسان کے لیے ابتلا ہے آزمائش ہے امتحان ہے کہ تجھے اس دنیا میں رہنا ہے تمہارے جسم کی ضروریات ہیں

تجھے غذا کی ضرورت ہے لباس درکار ہے، مکان چاہیئے، کنبہ قبیلہ دوست احباب کی ضرورت ہے بس تجھے صرف یہ کرنا ہے کہ اپنی ہر ضرورت کو پورا کرنے کے لیئے سلیقہ اور ڈھنگ مجھ سے سیکھنا ہے، بس یہی امتحان ہے اگر اپنی ضرورتیں میری ہدایات کے مطابق پوری کرے گا تو کامیاب اور اگر اپنی پسند سے طریقے اختیار کرے گا تو ناکام، گو ایسی صورت میں بھی اللہ تعالےٰ روزی بند نہیں کرے گا مال نہیں چھینے گا بلکہ مہلت دے گا مگر ایک بات یاد رکھنا۔ اگر تو میری سلطنت میں رہ کر میرے قانون کے مقابلے میں اپنا قانون چلائے گا تو ریاست کے اندر ریاست بنانے کا مجرم شمار ہوگا، لہٰذا اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جاؤ کہ جب ہمارے پاس مال زیادہ ہے تو یقیناً ہم اللہ کے پسندیدہ ہیں بلکہ اس حقیقت کو پلے باندھو کہ رزق کی تقسیم اللہ کے اپنے قانون تکوینی کے ماتحت ہوتی ہے، پسندیدہ اور ناپسندیدہ ہونے کی بنا پر نہیں اتنی وضاحت کے باوجود اکثر انسان اس سے بے خبر رہتے ہیں۔

وَمَا اَمْوَالُكُمْ وَلَا اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِیْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰیۤ۔

یعنی یہ قانون کان کھول کے سن لو کہ بیشک مال و دولت کا فراوانی سے ہونا اور اولاد کی کثرت میری عنایت ہے مگر یہ چیزیں انعام اس وقت کہلائیں گی جب مال حلال ذریعے سے کمایا گیا اور جائز مصرف پر خرچ کیا گیا ہو اور اولاد کی تربیت اس انداز سے کی گئی ہو کہ وہ اللہ کے بندے بن کر رہیں۔ اور یہ صرف انعام ہی نہیں شمار ہوگا بلکہ تو دوہرے اجر کا مستحق ہوگا، محض مال و اولاد کی فراوانی میرے مقرب ہونے کی دلیل نہیں ہاں مذکورہ دوسری صورت میں واقعی یہ میرے قرب کی دلیل ہوگی۔

وَالَّذِیْنَ یَسْعَوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیْنَ اُولٰٓىٕكَ فِی الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ۔

"جو لوگ میری سلطنت میں رہتے ہوئے میرے انعامات کو غلط طور پر استعمال میں لاتے ہیں انہیں سزا مل کے رہے گی اور کوئی طاقت انہیں ہمارے عذاب سے بچا نہ سکے گی اس لیئے خوب سمجھ لو کہ اس چند روزہ زندگی میں تم زیر امتحان ہو اگر اپنے آپ کو مستحق سمجھ لینے کی حماقت کروگے تو پچھتاؤ گے مگر اس وقت پچھتانا کسی کام نہیں آئے گا۔

اللہ نے کہا ہے تم زیر امتحان ہو
ہم یہ سمجھ رہے ہیں دنیا کے مستحق ہیں

بقیہ : سنتِ نبویؐ اور ہماری زندگی

ہوئے جزاک اللہ اور گرتے یا ٹھوکر لگتے وقت حسبی اللہ کہیں اور آخر میں رسول اللہ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کا ایک رنگ یہ بھی تھا کہ آپ ہر وقت اللہ کا ذکر کرتے رہتے تھے۔ سو ہمیں بھی چاہیے کہ ہم اللہ کے نام مبارک کو وردِ زبان و انفاس بنا کر غفلت سے بچنے کے لیئے ہر دم کوشاں رہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجتے رہیں

☆

حضرت اُستاذ المکرم کا

دورۂ ایبٹ آباد

ربورٹر ابوعامر امیر جماعت

حضرت المکرم اکتوبر ۱۹۷۹ء کے آخری عشرہ میں گلگت کا دورہ کرکے واپس تشریف لائے، بعد میں پھر لوگوں کے تقاضا پر مئی ۸۲ء اور اپریل ۸۳ء میں کوشش کی لیکن پنڈی میں کئی روز کے انتظار کے باوجود گلگت نہ پہنچ سکے بوجہ موسم کی خرابی، جہاز یا تو اسلام آباد سے چلا ہی نہیں اور اگر گیا بھی تو گلگت (LAND) نہ کرسکا، دین کی خدمت کے جذبے اور لوگوں کے اشتیاق نے اس پیرانہ سالی میں سو میل کے (BY ROAD) سفر کرنے کے عزم کو جوان کردیا۔ جمعہ ۲۴ مئی کو اس سفر کا آغاز ہوا۔ پہلا پڑاؤ اٹک میں تھا اگلے روز صبح ساڑھے آٹھ بجے ایبٹ آباد پہنچے دوپہر کا کھانا حافظ غلام قادری کے گھر تھا، احباب ملاقات کو وہیں آپہنچے، اگلی منزل چونکہ شنکیاری کے قریب بیم الہٰی منگ میں تھی لہٰذا وہاں سے بھی مولانا غلام مصطفیٰ صاحب اور محمد ہارون بادشاہ خان سابقہ وزیر زراعت صوبہ سرحد معہ چند احباب کے حاضر ہوئے مستقل قیام چونکہ مانسہرہ روڈ نمبر ۳۱۰ میں معین الدین خان کے گھر تھا، حضرت وہاں تشریف لے گئے، ظہر کے بعد احباب کافی تعداد میں اکٹھے ہوگئے اور خوب محفل جمی مسائل پر گفت وشنید شروع ہوئی۔

سلسلۂ نقشبندیہ اویسیہ کے بارے میں بات چلی تو فرمانے لگے، دس بارہ روز قبل راولپنڈی میں ایک جنرل صاحب نے مجھ سے استفسار کیا کہ سلسلۂ اویسیہ تو روحانی ہے وہ ظاہر بیعت تو نہیں لیتے آپ اس سلسلہ میں ہوتے کے باوجود ظاہری بیعت بھی لیتے ہیں؟ میں نے انھیں بتایا سلسلہ اویسیہ روحانی ہے اس میں روح سے فیض لیا بھی جاتا ہے اور روح کو فیضیاب کیا بھی جاتا ہے، لیکن یہ سب اسی صورت میں ممکن ہے کہ پہلے روح سے تعلق اور رابطہ ہو یہ رابطہ کوئی زندہ صاحب حال وکمال، کشف وکلام کا ماہر سلوک کے منازل میں کم از کم فنا فی اللہ اور بقا باللہ تک ہو وہی صرف۔ پہلے لطائف ومراقبات کرواکے کسی کو برزخ تک پہنچا کر کسی بزرگ سے تعلق ورابطہ پیدا کرواسکتا ہے ہمارے اور برزخ کے درمیان ہزارہا حجابات حائل ہیں گویا اس رابطے کے بغیر کسی فوت شدہ بزرگ سے فیض حاصل نہیں کیا جاسکتا، میں چونکہ نقشبندی سلسلہ سے تعلق رکھتا ہوں اویسی اس کی شاخ ہے۔ ظاہر بیعت اب اس لئے لیتا ہوں کہ تجربے میں آیا ہے کہ تعلق ونسبت سے کم از کم عقائد واعمال درست ہوجاتے ہیں، روحانی فیض کی تو سب میں اہلیت نہیں، میں بھی پہلے ظاہری بیعت نہیں لیتا تھا بلکہ منازل سلوک طے کرواکر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

حضرات صدیق اکبرؓ وسیدنا علی المرتضیٰؓ کے ہاتھ پر روحانی طور پر بیعت کرواتا تھا۔ اب چونکہ عوام الناس میں اس کی اہلیت نہیں، ہاں کوئی ایسا قابل ہو تو اس کو اب بھی کرواتا ہوں، پہلے صوفیاء کی جماعتیں کم ہی کسی کو یہاں تک پہنچاتے تھے، یا تو خود تخلیہ میں رہتے، یا زیادہ سے زیادہ کسی کے قلب پر انگلی رکھ کر اللہ اللہ کرنے کو کہہ دیتے ہیں تھے

عالم برزخ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ عالم برزخ اور ہمارے درمیان ہزارہا حجابات ہیں موت کے فوراً بعد عالم برزخ شروع ہو جاتا ہے، گو میت چارپائی پر رکھا ہوا ہے لیکن عالم برزخ میں ہے، قبر پر تھوڑی مٹی کے نیچے کا فاصلہ نہیں بلکہ برزخ کے ہزارہا حجابات ہیں۔ برزخ ایسا پردہ ہے جو وہاں سے پہنچ جانے والوں کو واپس نہیں آنے دیتا کسی زندہ انسان کی رسائی وہاں تک آسان نہیں، برزخ کا رخ قیامت کی طرف اور پشت ہماری طرف ہے برزخ میں پہنچا ہوا شخص خود تو ترقی نہیں کر سکتا کیونکہ اس کے اعمال منقطع ہو چکے ہوتے ہیں جہاں کوئی زندہ شخص ان کے درجات کی بلندی و ترقی کا موجب بن سکتا ہے۔ اعمال و صدقات ثواب ان کو بخشیں تو انھیں فائدہ پہنچتا ہے کیونکہ دنیا کے ساتھ تو کیا قیامت کا بھی تعلق ہے۔ دنیا کا سارا احساب تو میدان حشر میں ہو گا، پل صراط کے بعد پھر دار القرار ہے۔

دنیا کی بے ثباتی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا! یہ وطن ہمارا نہیں ہم چند روز کے لیے بطور مسافر آئے ہیں آخرت کے لیے زاد سفر تیار کرنے کا اب وقت ہے دنیا کا حصول ہی اصل مقصد نہیں ہے، موت کے وقت یہ دنیا کی زندگی خواب کی طرح محسوس ہو گی، اروئے زمین پر بسنے والے سب سے طویل العمر حضرت نوح علیہ السلام تھے، ان کا معجزہ آپنی ذات کے بارے میں تھا، دانت گرے تو نہ نظر کمزور ہوئی بال سفید ہوئے تو نہ ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضا میں کمزوری آئی کانوں کی شنوائی بالکل درست تھی ۱۶۰۰ سال دنیا میں گزارنے کے بعد جب ان کی روح قبض ہوئی، فرشتے نے ان سے پوچھا اے لمبی عمر پانے والے نبیؑ آپ نے دنیا کو کیسا پایا؟ جواب میں فرمایا' دنیا کے دو دروازے ہی دیکھے ایک سے داخل ہوا اور دوسرے سے نکل گیا' حضرت نوحؑ کی قبر منیٰ میں ہے طوفان نوحؑ کے بعد بیت اللہ کی تعمیر کے لیے یہاں آئے لیکن نصیب ہوا۔

حنیف شاہ صاحب نے سوال کیا، مستشرقین حضرت نوحؑ کی عمر تسلیم نہیں کرتے جواب میں فرمایا مستشرقین سے پوچھا جائے کہ حضرت عیسیٰؑ کی عمر کتنی تھی؟ یہ تو سب کچھ عقل کی کسوٹی سے ناپتے ہیں، حالانکہ عقل ان سب چیزوں سے عاجز ہے۔

سرسیدؒ نے مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کو خط لکھا" یہ صحابہؓ بڑے کملے تھے کبھی انہوں نے پوچھا نہیں کہ یہ کام کیوں کرنا ہے اور کیسے؟ دوسرا یہ کہ مسئلہ وہی ہو سکتا ہے جس کو عقل بھی تسلیم کرے حضرت نے جواب لکھا کہ سوال آپ کے درست ہیں میں بھی ہر ایک مسئلہ کو عقل سے سوچتا ہوں، جب عقل کی رسائی نہ ہو تو پھر اپنے آپ سے کہتا ہوں مسئلہ تو عقل کے مطابق ہے لیکن اب میری عقل اس قابل نہیں۔

پیغمبر آسمانی کتاب اور عقل و حکمت لے کر آتا ہے۔ صحابہؓ کامل ایمان تھے، تیرے اور میرے جیسے نہ تھے کہ وہ کیوں اور کیسے پیغمبر سے پوچھتے اور تب اتباع کرتے۔

آخرت کے عذاب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا" برزخ

ہیں جس قدر لوگ عذاب میں ہیں زیادہ تر معاملات کی وجہ سے ہیں، مسلمانوں نے معاملات کا دین کا جزو ہی سمجھنا چھوڑ دیا ہے خرید و فروخت آپس کا لین دین سب معاملات میں۔ میری طرف ایک ساتھی نے لکھا وارین میں سے اس نے کسی کو عذاب قبر میں دیکھا پوچھا کونسا عمل کروں کہ عذاب سے نجات ہوجائے میں نے لکھا "ایک لاکھ دفعہ لا الٰہ الا اللہ پڑھ کر ثواب بخشیں۔ اس نے پھر لکھا" عذاب میں تخفیف ہوتی ہے ختم نہیں ہوا"۔ میں نے لکھا وہ معاملات میں ماخوذ ہے۔ معاملات اس وقت تک معاف نہیں ہوتے جب تک وہ بندہ معاف نہ کرے گا، اگر میں نے آپ کا مال کھایا ہے تو جب تک آپ معاف نہیں کریں گے تو اللہ بھی معاف نہیں کرے گا۔ البتہ کسی نیک آدمی سے کوئی ایسی غلطی ہو جائے تو اللہ خود اس کا بدلہ دے دے اور اسکو معاف کر دے۔ میں ظاہری بیعت اسی لئے لیتا ہوں کہ سلسلے سے منسلک ہوکر عقائد کی درستی ہو جاتی ہے، عبادات و معاملات کا کو خیال کرنے لگ جاتے ہیں۔

سلوک کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا "اس کے دو رکن ہیں اور رکن سے چیز مرکب ہوتی ہے یہ کرہ چار دیواروں اور چھت سے مرکب ہے اگر چھت اتار لیں تو یہ کھولا رہ جائے اور اگر ایک دیوار گرا دیں تو برآمدہ۔

سلوک کے دو رکن ——— پہلا شریعت آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم، جو کام کیا جائے حضور سے پوچھ کر کہ حضور کا اس بارے میں کیا فرمان ہے حضور کی مخالفت کر کے کبھی کامیابی نہیں ہو سکتی" ہم کمزور ہیں غلطی تو ہو سکتی ہے لیکن کبھی ارادتاً غلطی نہیں کریں گے، تمام کمالات کے دروازے اب بند ہو چکے ہیں، سوائے اتباع محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور کی اتباع سے کوئی مستثنیٰ نہیں، یہ جہلاء کا مقولہ ہے کہ شریعت اور چیز ہے اور طریقت اور چیز،

شریعت تین چیزوں سے مرکب ہے عقائد، اعمال اور خلوص شریعت کو ایک درخت تصور کریں تو عقائد اس کی جڑیں اعمال اسکا تنا اور شاخیں ہیں اس پہ لگنے والے پھل کو خلوص کہتے ہیں اور اسی کے حصول کو تصوف کہتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے فرمایا ہے کہ شیخ سے عقیدت و انس قلبی ضروری ہے دل میں ذرا سی کدورت آئی تو فیض رکنے لگا اور شریعت میں خلل سے ایمان کمزور ہوجاتا ہے۔

دلاور خان کے سسر صاحب کو بیعت کرتے ہوئے فرمایا:

"نفی اثبات کثرت سے پڑھیں، درود شریف۔ درود ابراہیمی "" قرآن مجید کی تلاوت جس قدر ممکن ہو صبح کیا کریں" ۱۷۔ استغفار درود شریف کے فضائل کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔" کسی ولی اللہ پر قرض زیادہ ہوگیا، قرض خواہ نے مقدمہ کر دیا لیکن اس کے پاس تو ادائیگی کو کچھ نہ تھا۔ رات مراقبہ میں فنا فی الرسول کر کے حضور سے اپنی پریشانی کا تذکرہ کیا، آقاؐ نے فرمایا عراق کے فلاں وزیر کو کہو وہ قرض چکانے کو رقم دے دیگا کہنے لگا حضورؐ یہ کیسے ممکن ہے جب تک کوئی نشانی نہ ہو اعتبار کیسے کرے گا تو فرمایا اس کو میرا سلام کہنا اور بتانا کہ روزانہ جو تمہارا درود کا تحفہ مجھے پہنچتا ہے فلاں روز نہیں پہنچا" یہی نشانی ہے"۔

وہ شخص گیا، نبی کریمؐ کا سلام کہا اور قرض کا واقعہ بیان کیا، وزیر رونے لگا اور اس نے بتایا روزانہ صبح میں ایک ہزار مرتبہ درود پڑھتا ہوں اس روز کچھ حکومتی کاموں کی وجہ سے چھوٹ گیا اور فرصت نہ ملی، گھر سے رقم لاکر قرض اور خرچ کے لئے دی

اور کہا آئندہ جب بھی کوئی ضرورت درپیش ہو مجھے مطلع کرنا اگلی تاریخ پیشی پر جب اس مردِ خدا نے ادائیگی کے لیئے رقم نکال کر رکھی تو قاضی نے کہا چند روز قبل تو تم افلاس کا ذکر کرتے تھے آج بھلا یہ رقم کہاں سے آئی، اس نے سارا واقعہ کہہ سنایا، قاضی نے رقم لوٹا دی اور کہا یہ قرض میں ادا کرتا ہوں، لیکن مدعی نے کہا میں تو اب معاف ہی کرتا ہوں

درود شریف کی کثرت سے حوادثات و مصائب کم ہو جاتے ہیں، رزق، اولاد میں برکت ہوتی ہے الا ما شاء اللہ اور میدانِ حشر میں قرب رسولِ خدا نصیب ہوتا ہے۔

سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درود پیش ہونے کی کیفیت کا ذکر فرمایا کہ اس کی تین حالتیں ہیں ۱- تازہ کھلا ہوا پھول ۲- دو تین روز کا ٹوٹا ہوا پھول ۳- مسخ شدہ کلیوں کی صورت میں۔

یہ فرق محض پڑھنے والے کی طرف سے محبت وخلوص کا ہے۔

قرآن مجید کی تلاوت کے بارے میں فرمایا حضرت امام احمد بن حنبلؒ صدیق ہوئے ہیں، خلقِ قرآن کے مسئلے پر بہت تکالیف برداشت کیں، انہیں خواب میں اللہ کا دیدار نصیب ہوتا تھا، ایک مرتبہ رب کریم سے پوچھا قبر کے عذاب سے بچنے کے لیئے کیا وظیفہ ہے جواب ملا قرأت القرآن بفہم او من غیر فہم، آخروی نجات کے لیئے یہ مؤثر ذریعہ ہے۔

بیعت ہونے والے احباب سے فرمایا "سورۂ ملک مغرب سے سونے کے درمیان ایک دفعہ پڑھ لیا کریں، رات سوتے وقت دس مرتبہ لا الٰہ الا اللہ، دس دفعہ سبحان اللہ دس دفعہ الحمد للہ، سورۂ اخلاص ۳۳ دفعہ پڑھ لیا کریں، سورۂ کافرون چار مرتبہ پڑھنے سے اور سورۂ اخلاص تین مرتبہ پڑھ لینے سے پورے قرآن مجید کا ثواب ملتا ہے، نماز کی پابندی تہجد اوابین یعنی رات دن میں فرائض سنن ملا کر پچاس رکعت پوری کر لینی چاہئیں۔

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فتح الباری میں لکھتے ہیں فرائض پورے نہ ہوں تو نفلیات فضول ہیں، سو رکعت سنت و نوافل ایک فرض کے برابر ہیں اور ایک رکعت کے بدلے ستر ہزار سال جہنم کی سزا مقرر ہے، اللہ تعالیٰ معاف کر دے تو وہ قادر و رحیم ہے۔ نوافل اس کمی کو پورا کرتے ہیں

عذاب قبر کا فرمایا اس کا ملاحظہ یوں ہوا ہے کہ عذاب پہلے سر کی طرف سے آتا ہے اور یہ حساب وکتاب کے فوراً بعد شروع ہو جاتا ہے، سر کی طرف سے قرآن مجید، دائیں طرف سے نماز بائیں اور پاؤں کی طرف سے حج یا صدقات عذاب کو روکتے ہیں۔

استغفار کی مثال جھاڑو کی سی ہے حضرت رابعہ بصریہؒ سے کسی نے پوچھا، درود پڑھوں یا استغفار فرمایا درود عطر ہے اور استغفار جھاڑو، صفائی نہ ہو تو عطر بے کار ہے لہٰذا دونوں عمل ضروری ہیں۔

اسسٹنٹ کمشنر یار محمد صاحب نے سوال کیا کسی شخص نے آپ کو والد کے عذاب کے بارے میں لکھا پھر آپ نے جواب دیا تخفیف ہوئی وغیرہ۔ یہ کس علم کے ذریعہ؟

جواب میں فرمایا "یہ نورِ نبوت سے پتہ چلتا ہے، سلوک میں عام طور پر یہ علم حاصل ہو جاتا ہے، لیکن نہ یہ مقصد ہے اور نہ قرب کی دلیل و ذریعہ، لطائف منور ہو جاتے ہیں

تو یہ محسوس ہونے لگتا ہے فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ

حضرت نوحؑ کی قوم کو فرمایا اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ۔

کافروں کو "صُمٌّ بُكْمٌ" فرمایا حالانکہ وہ حواس رکھتے تھے لیکن دل کے اندھے تھے ۔ حدیث میں کتنے واقعات موجود ہیں۔ ملا علی قاری لکھتے ہیں، حضور نے معراج میں فرشتے دیکھے حالانکہ ان کا لباس و کلام لطیف ہے، کان ان کی بات نہیں سن سکتے ، لیکن وہ ہماری کلام سنتے ہیں راستے میں حضور کی انبیاء سے ملاقات ہوئی بخاری و مسلم میں بیت المقدس میں اذان و جماعت ہوئی، قیامت کا مسئلہ پیش ہوا حضرت آدمؑ سے ملاقات ہوئی، آپ نے سلام کیا، جواب میں حضرت آدمؑ نے فرمایا، میرے بیٹے خوش آمدید حضرت ابراہیمؑ کا امتِ محمدیہ کے لیے سلام کہنا اور کہنا جنت چٹیل میدان ہے ۔

لہٰذا یہ بھی تو علمِ نبوت میں سے ہے کوئی تو ایسا بھی ہو جو اس علم کا حامل و ماہر ہو، اس فن کے لوگ دراصل نابود ہو چکے ہیں اس لیے آج اس کا انکار ہے، جیسے پرانا کفر اسلام اور پرانا اسلام کفر بن جاتا ہے، اسی طرح آج ہم پر تنقید ہوتی ہے ۔

مولانا محمد ایوب اخوند زادہ ناظم مدرسہ عزیزیہ کاکول نے پوچھا مدارج النبوۃ میں حدیث درج ہے انا مدینۃ العلم وابوبکرؓ اساسہا وعمرؓ جدرانہا وعثمان سقفہا وعلی بابہا ، ابوبکر بنیاد، عمر دیوار، عثمان چھت اور علیؓ اس کا دروازہ ہیں لیکن صرف انا مدینۃ العلم وعلی بابہا ہی مشہور ہے ۔

جواب ! ہمارے لیے مستند کتاب اللہ پھر بخاری ومسلم اس کے بعد ابوداؤد ترمذی و نسائی یہ جامع اصولین ہیں۔

اس کے بعد چوتھے درجے ہیں رافضی ، خارجی، معتزلہ ہر قسم کے لوگ مصنفین میں شامل ہیں۔ اکثر مصنفین نے سب کی روایات کو جمع تو کیا کہ پھر چھانٹ لیں گے اصل، نقل جدا ہو جائے لیکن اللہ ان پر رحم کرے یہ انھیں موقعہ نہ ملا۔

حضرت علیؓ کے بارے میں جتنی روایات بنائی گئی ہیں اللہ ان سے پناہ ہی دے ۔

نور اللہ شوستری جس کو ایران سے ملکہ نور جہاں نے بلوایا تھا اکبر آباد میں قاضی القضاۃ رہا ہے اس نے مصائب النواصب اور احقاق الحق یہاں لکھی ہیں بعد میں اسکو قتل کر دیا گیا فرمایا" میں نے ہر مذہب کی کتب کا مطالعہ کیا ہے، گو دکنی کو بھی اردو کی طرح سمجھتا ہوں پر بانی مذہب کو غلطی لگی لیکن شیعہ مذہب کی بنیاد عداوتِ اسلام پر ہے ان کا اصول ہے جو مسئلہ کتابوں میں نہ ملے اہل سنت کے خلاف عمل کرو بس یہی حق ہے عارفین باللہ ہمیشہ ان کے خلاف لگے رہے ہیں۔ مرزا مظہر جانِ جاناںؒ انہی کے ہاتھوں قتل ہوئے ۔ شاہ ولی اللہؒ کی ازالۃ الخفاء لکھنے کے بعد دہلی کے گورنر جو کہ شیعہ تھا اس نے انگلیاں

کٹوادیں، مکانات تک ضبط کرلیئے اور انھیں جلاوطن کر دیا گیا۔ شاہ عبدالعزیزؒ کے حالات بھی اس سے مختلف نہیں ہیں آخر انھیں بھی جلاوطن کر دیا گیا، امام ربانیؒ مجدد الفِ ثانی نے ان کے مقابل بڑا کام کیا جیلوں میں بند رہے مصائب برداشت کیئے، سید عبدالقادر جیلانیؒ نے اس دور میں ان کے خلاف کافی کوشش کی اصل میں اللہ ہی نے ان کی اس دور میں روک تھام کی۔

مرزائیوں سے تو ہمارا اختلاف دو چیزوں میں ہے (۱) حیاتِ مسیح (ب) اجرائے نبوت ورنہ بقایا مسائل میں وہ ہمارے ساتھ ہیں۔ مرزا نے خود لکھا ہے جب کوئی مسئلہ مجھ سے نہ ملے تو فقہ حنفی سے مسائل دیکھ لیا کرو، اس نے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کا ختم نبوت کا تاج اُتارنا چاہا اور یہ اصولی مسئلہ ہے، صحابہؓ نے کسی داعی داعی نبوت سے دلائل طلب نہیں کیئے اسود عنسی سجاح مسیلمہ کذاب کسی سے نبوت کی دلیل طلب نہیں کی کیونکہ مدعی نبوت سے دلیل طلب کرنا گویا ختمِ نبوت میں شک کرنا ہے شیعہ کا ہم سے ہر مسئلہ میں ہی اختلاف ہے پیدائش سے جنت دوزخ جانے تک۔

آخر میں فرمایا حضورؐ سے علومِ نبوت اور نورِ نبوت دونوں چیزیں چلی آرہی ہیں، علوم نبوت حدیث و قرآن تو سکھ یہودی قادیانی بھی حاصل کرسکتے ہیں لیکن نورِ نبوت صرف مومن کو حتیٰ کہ گنہگار و بدکار مومن بھی حاصل نہیں کرسکتا۔ چیزوں کی حقیقت تو صرف نورِ نبوت سے حاصل ہوتی ہے لہذا اس کا حصول ضروری ہے، فرمایا۔ برزخ سامنے دکھائی دیتا ہے راستہ لمبا اور معاملہ دشوار ہے، اقارب و رشتہ دار تو مُردے کو نہیں اپنے فائدے کو روتے ہیں تو تنہا حساب و کتاب ہونے والا ہے آباؤ اجداد کی قبور تک کا ہمیں اب علم نہیں یہی حساب ہمارا ہوگا۔ خصوصاً آخر عمر میں اللہ کی طرف متوجہ رہیں جوان سب کام کریں ڈیوٹی ٹھیک کریں سب چیزیں ٹھیک کریں بیوی بچے غرضیکہ ہر کام کریں لیکن خدا کو نہ بھولیں۔

مولانا رومؒ فرماتے ہیں:۔

چیست دنیا از خدا غافل بُدن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

دنیا ہر وہ چیز ہے جو خدا سے غافل کرے بیوی بچے دنیا کے مال و دولت خدا سے غافل کریں تو دُنیا ورنہ نہیں

قرآن مجید کے فضائل بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔

اعظم سورۃ اخلاص۔ اعظم الآیات۔ آیۃ الکرسی ارجع الآیات لا تقنطوا من رحمۃ اللہ من آیات اللہ۔ ومن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ۔

صبح سات بجے بروز اتوار ۱۶ مئی ۱۹۸۲ء دو کاروں کا یہ قافلہ اگلی منزل کی جانب روانہ ہوا۔ لیغہ چوک پر ہارون بادشاہ خان اپنی گاڑی میں کھڑے تھے براستہ لیغہ اب ہارون صاحب کے گاؤں ہم اکھی ننگ پہنچے استقبال کو کافی تعداد میں لوگ اکٹھے تھے۔

بندوبست بھی اچھا خاصا تھا،

نماز ظہر کے بعد کوئی ڈیڑھ سو اور عشاء کے بعد ۵۷ آدمی بیعت ہوئے، وقت قلیل تھا لیکن لوگوں نے خوب استفادہ کیا۔

عصر کی نماز میں کرنل عبدالقادر معہ اپنے دونوں ماموؤں کے تلاش کرتے ڈھونڈتے ہم آپہنچے یہ ان کی ہمت اور جذبۂ محبت اور ان کی گاڑی کی ہمت کا بے مثال مظاہرہ تھا۔

عشاء کے بعد ذکر میں مولانا غلام مصطفےٰ صاحب کو مراقبات ثلاثہ کروائے گئے۔ کرنل عبدالقادر صاحب کو دربار نبوی میں پیش کیا گیا تو حضورؐ نے بے حد شفقت سے فرمایا "کرنل مطلوب کے بعد عبدالقادر مجھے عزیز ہے"

کس قدر بلند یہ مقام ہے تیرے نصیب

دوسری صبح کو قافلہ اگلی منزل کو عازم سفر ہوا کرنل صاحب کے اس علاقے میں ذکر کے لیے تیسرا جمعہ مقرر فرمایا کہ ضلع مانسہرہ کا اجتماع ہو جائے اور فی الحال حافظ غلام قادری کی وہاں اس اجتماع پر ذکر ڈیوٹی لگائی گئی۔

یوں یہ مبارک دن لمحوں میں گذر گئے ؎
خدایا ایں کرم بار دگر کن

بقیہ: تصوف اور اسکی حقیقت

ایک سائل نے دریافت کیا کہ پاک ترین عمل کونسا ہے؟

آپ نے فرمایا۔ خدا سے کامل لگاؤ پیدا کرکے غیر خدا سے دل بے نیاز کر لینا جو دل خدائے غنی کے ساتھ دولت مند ہو اسے دنیا سے تہی دست ہونا محتاج نہیں کر سکتا۔

اس نکتے کی حقیقت جان لینے سے فقر کا اصلی مفہوم آئینہ ہو جاتا ہے۔

بس ارباب طریقت عبادات کے حقائق، اشارات کے دقیق اور دنیا و آخرت کے علوم سے علیحدگی اور تقدیر الٰہی کا نظارہ کرنے میں انہیں کی پیروی کرتے ہیں اس مسلکے پر ان کے لطائف کلام احاطہ شمار سے باہر ہیں۔

باقی آئندہ
انشاءاللہ

ؒ: عقل غلام ہے اور شریعت سلطان، پس عقل کی تائید سے شریعت کی بات ماننا ایسا ہے جیسے غلام کی جی ہاں جی ہاں سنکر بادشاہ کی بات کو مانا جائے، اس کا حماقت ہونا ظاہر ہے۔

(ا-ع-ت)

صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے محافظ اور جانثار ساتھی

حافظ خان قادری
ایم اے

اللہ نے دین اسلام کی حفاظت کا خود ذمہ لیا، قرآن مجید اس کے الفاظ و معانی اس کی شرح یعنی حدیثؐ اور خود صاحب قرآن مجید کی حفاظت کے لیے صحابہ کرامؓ ہی اولین سبب بنائے، اس مقدس جماعت نے ہر مشکل گھڑی میں حضورؐ کی حفاظت کی اور اس کی خاطر اپنے اہل و عیال اور جان و مال کو بھی داؤ پر لگا دیا۔

یہودیوں کا طرز عمل اپنے نبیوں کے ساتھ دھوکہ بازی کا ہی رہا ہے۔ اللہ کے نبیوں کی عزت و تکریم اور حفاظت کی بجائے انھیں تنگ کرتے حتی کہ قتل کر دیتے حضرت عیسٰی کے حواری مشکلات کے وقت آپکو چھوڑ کر چلے گئے تھے لیکن محمد رسول اللہؐ کے جانثار ساتھیوں کا طرز عمل ملاحظہ ہو:۔

قریش مکہ کی ایذا رسانی سے جب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضورؐ کو چھڑوایا تو ان ظالموں نے آپکو چھوڑ کر ابوبکرؓ کو مارنا شروع کر دیا، اس قدر پیٹا کہ آپ تین دن تک بے ہوش رہے، ہجرت کے موقع پر آپؐ کے بستر پر سونا یا آپ کی معیت میں سفر کرنا جان جوکھوں میں ڈالنا تھا۔ قریش نے حضورؐ کے پکڑ لانے والوں کے لیے سو اونٹ کا جو انعام رکھا تھا اتنا ہی انعام حضرت ابوبکرؓ کی گرفتاری کا بھی تھا۔

غزوہ احد میں کفار کے اچانک حملے سے جو تھوڑی دیر کے لیے ابتری پھیلی تو حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اکیلے کچھ دیر تک حضور کی حفاظت کرتے رہے، پھر کچھ اور صحابہؓ آ پہنچے تو حضورؐ کو کفار کے نرغے سے نکال لائے، حضرت سعدؓ دشمن پر تیر برسا رہے تھے، سرکار دو عالم خود اپنے ترکش سے تیر نکال کر انہیں عنایت کرتے اور ساتھ ساتھ ارشاد فرما رہے تھے "میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں اے سعد تیر چلاتے جاؤ"

کس قدر خوش نصیب تھے یہ لوگ ؎

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

میدان احد میں آپؐ نے ایک موقع پر فرمایا "کون مجھ پر جان دیتے ہے"

زیاد بن سکنؓ بولے "میں حاضر ہوں"

پانچ اور انصاری مجاہد بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے

اور سب نے لڑتے لڑتے جان دیدی۔ کفار حضورؐ تک پہنچنا چاہتے تھے۔ حضرت طلحہؓ انصاری حضورؐ کے سامنے ڈھال بنے رہے تین کمانیں ان کے ہاتھ سے ٹوٹیں، تیروں کی بارش ہورہی تھی۔ حضرت طلحہؓ تو تیروں کو اپنے ہاتھ پر روکتے تھے، ہاتھ تو زندگی بھر کے لیئے بیکار ہوگیا لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب رہے، عبداللہ ابن قمیہ بدبخت نے آپؐ پر وار کیا جس سے زرہ کی کڑیاں رخسار میں دھنس گئیں اور نکالنا مشکل ہوگیا حضرت ابوعبیدہ ابن جراحؓ نے دانتوں سے کھینچ کر نکالی جس سے خود ان کے دو دانت شہید ہوگئے۔ حضرت ابودجانہؓ اپنے آقا کی حفاظت کے لیئے اس طرح اوپر جھکے ہوئے تھے کہ جو تیر بھی آتا اس کو اپنے بدن پر ہی روک لیں۔ ہر طرف سے آنے والے تیروں کو روکتے روکتے ساری پیٹھ چھلنی ہوگئی ہے

اگر چاہوں تو نقشہ کھینچکر الفاظ میں رکھدوں
مگر تیرے تخیل سے فزوں تر ہے وہ نظارہ (اقبالؒ)

مرد صحابہؓ کا تو کیا کہنا صحابیؓ عورتیں بھی اس سعادت میں برابر کی شریک تھیں، حضرت ام عمارہؓ جنگ اُحد میں پانی پلاتی پھرتی تھیں، اپنے آقا پر دشمنوں کا ہجوم دیکھا تو مشک پھینکی اور تیر کمان لے کر حضورؐ کے پاس آکر دشمنوں پر تیروں کی بوچھاڑ شروع کردی۔ بعد میں کہیں سے ایک تلوار ہاتھ لگ گئی ابن قمیہ نے جب حضورؐ پر حملہ کیا تو اس مجاہدہ نے اس کو للکارا اور ایسی تیزی سے اس پر وار کیا کہ وہ جان بچاکر بھاگا۔

خود ام عمارہؓ کو گردن اور سر پر تیرہ زخم آئے اور اسی خوش نصیب کو بارگاہِ رسالت سے یہ تمغہ نصیب ہوا کہ آقا نے فرمایا "قیامت میں بھی اُم عمارہؓ اسی طرح میرے ساتھ ہونگی جیسے میدانِ اُحد میں تھیں"

غزوۂ حنین کی مشکل گھڑی میں حضرت اُم سلیمؓ اونٹ پر سوار ہاتھ میں خنجر لیئے حضور کی حفاظت کر رہی تھیں حضورؐ نے ان کو پکار کر فرمایا "اُم سلیمؓ تم جوانمردوں سے بھی بازی لے گئی ہو"۔ غزوۂ حنین میں پہاڑوں میں چھپے ہوئے ہوازن کے تیر اندازوں نے جب اچانک مسلمانوں کے لشکر پر تیروں کی بارش کی تو لشکر کا اگلا حصہ جو کہ نومسلم لوگوں اور بنی سلیم قبیلے پر مشتمل تھا اچانک پیچھے مڑا جس سے سارے لشکر میں افراتفری پھیل گئی اس وقت حضرت ابوبکرؓ عمرؓ، علیؓ، عباسؓ، ان کے صاحبزادے نفیلؓ، حارث بن عبدالمطلب، ابوسفیان حضرت ربیعہؓ اُم ایمن کے بیٹے ایمنؓ حضرت طلحہؓ انصاری مع اپنی بیوی اُم سلیمؓ کے اور حضرت اسامہؓ حضورؐ کی حفاظت کے لیئے ارد گرد کھڑے تھے مسلمانوں کا پڑاؤ جب حدیبیہ کے مقام پر تھا کفار کے ۷۰/۸۰ آدمی حضورؐ کے قتل کے ناپاک ارادے سے آئے، صحابہؓ نے سب کو گرفتار کرلیا لیکن رحمۃ للعالمین نے معاف فرمایا۔

مکہ میں ایک روز کفار کے ہجوم نے کاشانۂ نبوی کو گھیر لیا حضرت زبیر بن عوامؓ کو جب پتہ چلا تو ہاتھ میں ننگی تلوار لیئے ہجوم کو چیرتے ہوئے اپنے محسن آقا کی حفاظت کو پہنچے۔

مدینہ میں پہنچے تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا، مشرکین مکہ نے وہاں بھی مسلمانوں کو آرام کی نیند نہ سونے دیا، حضورؐ خود رات بھر جاگا کرتے تھے ایک دن زبان مبارک سے نکلا کاش آج کی رات یہاں کوئی پہرہ دیتا، تھوڑی دیر بعد بنو زہرہ کے رئیس حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ہتھیار سجاتے ہوئے حاضر ہوئے

اور رات بھر اپنے آقا مبارک کے حجرے پر پہرہ دیتے رہے۔

غزوۂ بدر پر جاتے وقت حضورؐ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا تو جواب میں حضرت سعدؓ بن عبادہ کہنے لگے "ہم بنی اسرائیل کی طرح نہیں کہ آپ کو تنہا چھوڑ دیں گے بلکہ آپؐ فرمائیں تو ہم سمندر میں کود پڑیں حکم ہو تو برک الغماد یمن یا حبشہ کا دور دراز کا علاقہ تک گھوڑے دوڑاتے جائیں"

حضرت مقدادؓ نے عرض کیا "ہم آپ کے آگے پیچھے دائیں بائیں ہر طرف لڑیں گے"

یہ وہ خوش نصیب تھے کہ انہوں نے جو کہا کر دکھایا

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ

عروہ بن مسعود ثقفی نے صلح حدیبیہ کے وقت صحابہؓ کی حیرت انگیز عقیدت کو دیکھا تو قریش کو جا کر بتایا میں نے قیصر کسریٰ اور نجاشی کے دربار دیکھے ہیں وہاں اتنی عزت و تعظیم نہیں ہے جتنی عشق و عقیدت کی کیفیت محمدؐ کی اپنے ساتھیوں میں ہے وہ سارے دل و جان سے اُن پر فدا ہیں اور اپنے خون کا آخری قطرہ بہانے کو بھی تیار ہیں۔

"اپالوجی فار محمدؐ" میں گاڈفری ہگنس لکھتا ہے

عیسائی اس کو یاد رکھیں تو اچھا ہے کہ محمدؐ نے وہ نشہ اپنے پیروؤں میں پیدا کر دیا تھا جس کو عیسیٰؑ کے ابتدائی پیروؤں میں تلاش کرنا بے سود ہے جب عیسیٰؑ کو سولی پر لے گئے تو ان کے پیرو بھاگ گئے ان کا نشہ دینی جاتا رہا اور اپنے مقتدا کو موت کے پنجے میں گرفتار چھوڑ کر چل دیئے برعکس اس کے محمدؐ کے پیرو اپنے مظلوم پیغمبر کے گرد آئے اور آپ کے بچاؤ میں میں اپنی جانیں خطرے میں ڈال کر دشمنوں پر آپؐ کو غالب کر دیا۔

صحابہ کرامؓ کی راہِ حق میں

مالی قربانیاں

گلشنِ اسلام کو اپنے خون سے سینچنے والے سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ فرزندانِ توحید نے اللہ کے دین کے لیئے اپنا سب کچھ وقف کر رکھا تھا، یہ آیت کریمہ ان کے حال پر صادق آتی ہے اور خوب صادق آتی ہے کہ انَّ اللہ اشتریٰ من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ (توبہ) حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں سے ان کے نفس اور ان کے مال جنت کے بدلے خرید لیئے ہیں" اس خریداری اور سودے میں جسطرح جماعت صحابہؓ پوری اُتری، تاریخ اسلام میں اس کی نظیر نہیں ملتی یہی وہ جماعت ہے جس کے تذکرے کو دہرانے اور بار بار دہرانے کی ضرورت ہے یہاں کچھ واقعات مشتے از خروارے کے طور پر پیش کیئے جاتے ہیں۔

غلامی کا جُوا خواہ کسی قوم کی گردن پر ہو یا کسی فرد کے گلے میں یہ کسی انسان کو دین مبین پر مکمل طور پر عمل پیرا نہیں ہونے دیتا، یہی وجہ تھی کہ حضرات ابوبکرؓ، عثمانؓ غنی اور عبدالرحمانؓ بن عوف وغیرہ نے کتنے مسلمان غلاموں کو خرید کر آزادی سے دین پر عمل کرنے کا موقع فراہم کیا حضرت بلالؓ، سلیمان فارسیؓ اور صہیبؓ رومی جیسی بزرگ ہستیاں انہی لوگوں میں سے تھیں حضرت عثمانؓ ہر جمعہ کے روز ایک غلام آزاد کرتے حضرت عبدالرحمان بن عوف نے بارہا ایک ایک دن میں تیس تیس غلام آزاد کیئے حضرت ابوبکرؓ نے چھ غلام مرد اور ایک عورت بھاری قیمت دیکر آزاد کرائے

مسجد نبوی کے لیئے زمین حضرت ابوبکرؓ نے ۱۰۰۰۰ درہم میں خریدی جس کے بعد میں توسیع حضرت عثمانؓ نے کی حضرت

حضرت ابوبکرؓ مکہ کے رئیس تاجر تھے، جب مشرف بہ اسلام ہوئے تو ان کے پاس چالیس ہزار درہم تھے، یہ ساری دولت آپ نے راہِ حق میں صرف کر دی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے بارے میں فرمایا "جان و مال کے لحاظ سے مجھ پر ابوبکرؓ سے زیادہ کسی کا احسان نہیں"

مسلمانوں کے لیئے مدینہ میں جملہ دیگر مسائل کے پینے کا پانی بھی ایک زبردست مسئلہ تھا یہودیوں نے اپنے کنوؤں سے پینے کا پانی بیچنا شروع کر دیا تھا حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی اس پریشانی کو دیکھ کر فرمایا کہ جو کوئی مسلمانوں کو پانی کی اس مصیبت سے نجات دلوائے میں اس کو جنت کی خوشخبری دیتا ہوں۔"

حضرت عثمانؓ نے یہودی سے بیرِ رومہ بیس ہزار درہم میں خرید کر مسلمانوں کے لیئے وقف کر دیا اور اس بشارت کے مستحق بنے۔ رضی اللہ عنہ۔

غزوہ تبوک جسے ذی العسرہ یعنی تنگی کی لڑائی بھی کہتے ہیں۔ کے وقت مسلمانوں پر بڑا کٹھن اور صبر آزما موقع تھا قحط سالی، پانی کی کمی، گرمی کی شدت صحراؤں کا سفر جبکہ ریت کا ہر ذرہ سورج کی حدت سے چنگاری بن چکا تھا اور پھر مقابلہ بھی روم جیسی عظیم طاقت کے ساتھ بڑا ہی مشکل اور آزمائش کا وقت۔ حضورؐ نے جنگی تیاریاں کرتے ہوئے حکم فرمایا کہ جو مال و اسباب کسی سے میسر ہو سکے لے آئے حضرت ابوبکر گھر کا تمام اثاثہ لے گئے اور اپنے آقا و مولا کی خدمت میں ڈھیر کر کے ایثار کی ایسی مثال پیش کی جسے رہتی دنیا تک یاد رکھا جائے گا اسی طرح حضرت عمرؓ نے گھر کا جملہ اثاثہ آدھا گھر والوں کے لیئے رکھا اور آدھا بارگاہِ رسالت میں پیش کر دیا غرضیکہ جس کو جو کچھ میسر آیا لیئے چلا آرہا تھا، حضرت عثمانؓ نے تین سو اونٹ بمعہ ان کے کجاووں کے ایک ہزار دینار نقد اور بہت سا اسلحہ پیش کیا، ایک دوسری روایت کے مطابق نو سو اونٹ، ایک سو گھوڑے ایک ہزار درہم نقد پیش کیئے جس پر حضور نے یہ عظیم خوشخبری سنائی "آج کے بعد عثمانؓ کو ان کا کوئی عمل نقصان نہیں پہنچائیگا (ترمذی و بخاری)

یہ چند واقعات تو مالدار اور خوشحال صحابہؓ کے ہیں لیکن ایثار کیشی میں غربا بھی کم نہ تھے، ابو عقیل انصاری اسی موقع پر کچھ بغل میں دابے جھجکتے ہوئے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے سرکارِ دو عالم صلعم کے استفسار پر عرض کیا "یا رسول اللہ! مجھ غریب سے یہی کچھ ہو سکا، رات بھر مزدوری کی، ڈول کھینچ کر کھیت سیراب کرتا رہا جس کا معاوضہ چار سیر کھجوریں ملیں ہیں دو سیر بیوی بچوں کو دے آیا ہوں اور دو سیر یہ حاضر ہیں، آقائے نامدارؐ نے اس بے سرو سامان ساتھی کی دلجوئی فرمائی کہ ان کھجوروں کو جمع شدہ تمام ڈھیر پر بکھیر دینے کا حکم فرمایا، یہ تھے وہ لوگ گو کہ ان کے پاس دنیاوی مال اور دولت کم تھی، لیکن ان کے پہلو میں ایک زندہ، بیدار اور فیاض دل تو تھا نا گا ایسے ہی دل کی تمنا میں شاعرِ مشرق یوں نغمہ سرا ہوا تھا ۔

دل مردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کر دوبارہ
کہ یہی ہے امتوں کے مرضِ کہن کا چارہ

ناز و نعم میں پلنے والے اور قاقم و حریر کے کپڑے پہننے والے اس حالت میں ملتے ہیں کہ جب مشرف بہ اسلام ہوئے

تو ماٹ اوڑھتے اور پیوند لگے کپڑے پہنتے تھے، اور جب شہادت پائی تو کفن کے لیے پورا کپڑا بھی نہ ملا، پاؤں پر گھاس ڈال کر دفن کیے گئے۔ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ بن عمیر کی تاریخ ہمارے سامنے ہے آپ نہایت خوشحال خاندان کے چشم و چراغ تھے، ان کی زندگی نہایت عیش و آرام کی زندگی تھی سواری کے لیے بہترین گھوڑے، صبح کی سواری علیحدہ اور شام کے لیے علیحدہ دن میں کئی کئی پوشاکیں بدلتے تھے، لیکن جب حق واضح ہوا تو اسے قبول کرنے میں دیر نہ لگائی، یہ نہ سوچا کہ اس کا انجام کیا ہوگا؟ ان کی اسلام سے پہلے کی زندگی اور اسلام لانے کے بعد کی زندگی کو یاد کر کے حضور ﷺ کی آنکھوں میں آنسو آجایا کرتے تھے

حضرت ضرار بن ازور کے پاس ایک ہزار اونٹوں کا گلہ تھا، قبول حق کے جرم میں ان سب سے دستبردار ہونا پڑا، اس پر فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "تمہاری تجارت گھاٹے میں نہیں رہی"

اصحاب صفہ میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ذو البجادین (دو کپڑوں والا) مشہور ہیں۔ ان کا پہلا نام عبدالعزیٰ تھا یتیم ہو گئے تو چچا نے پرورش کی، ایک غلام، کچھ بکریاں اور اونٹ دیکر انھیں اپنے پاؤں پہ کھڑا کیا عبدالعزیٰ نے ان سے کافی مال و اسباب بنا لیا۔

فتح مکہ کے بعد جب اسلام کے نور سے دل منور ہوا تو اس کا ذکر چچا سے کیا وہ بہت برہم ہوا اور کہنے لگا ہمارے خداؤں سے بغاوت کے جرم میں تجھے یہ سب مال و اسباب واپس کرنا پڑے گا۔ انہوں نے سب کچھ یہاں تک کہ بدن کے کپڑے بھی دیکر اسلام قبول کرنے کا سودا کر لیا، ماں کو ان کی اس حالتِ زار پر رحم آیا تو ایک دیدیا جس کے دو حصے کر کے انہوں نے ایک کا تہبند بنایا اور دوسرے کی چادر اوڑھ لی اور اسی حالت میں مدینہ طیبہ جا پہنچے صبح کی نماز کے بعد حضور ﷺ نے اس اجنبی کے بارے میں دریافت کیا تو عبدالعزیٰ کا نام سنکر فرمایا در آج سے تم عبداللہ ہو"۔

● عقل غلام ہے اور شریعت سلطان۔ پس عقل کی تائید سے شریعت کی کی بات ماننا ایسا ہے جیسے غلام کی جی ہاں جی ہاں سنکر بادشاہ کی بات کو مانا جائے۔

اس کا حماقت ہونا ظاہر ہے۔ بادشاہ کی بات خود حجت ہے غلام کی تصدیق سے اس کو حجت سمجھنا سراسر حماقت ہے

(ا۔ ع۔ ت)

پروفیسر باغ حسین کمال

سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور ہماری زندگی

بنی نوعِ انسان کی غایتِ آفرینش معرفتِ باری تعالیٰ، اس پر ایمان اور پھر اس کی عبادت کرنا ہے۔ اور عرفان و ایمان کے نتیجہ میں انسان کے دریائے دل میں حبِّ الٰہی کے جذبات کا موجزن ہونا لابدی ہے چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے۔

"وہ لوگ جو ایمان لائے۔ اللہ سے ٹوٹ کر محبت کرتے ہیں"

اب اگر انسان چاہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے محبت کریں تو اس کے لیے اللہ پاک نے اپنی محبت کو مشروط کرتے ہوئے فرمایا

"ان سے کہہ دیجیئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میرا اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا"

گویا اللہ تعالےٰ کی محبت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع پر موقوف ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ قرآن حکیم کی مجسّم تفسیر ہے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے

"یقیناً تمہارے لیئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ایک نمونہ ہے اس کے لیئے جو اللہ اور قیامت کی امید رکھتا ہے اور اللہ کو بہت یاد کرتا ہے"

اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے

"سب سے بہتر کلام۔ قرآن مجید، سب سے بہتر سیرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے" مزید فرمایا۔

"میں اپنے بعد دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، جب تک ان سے وابستہ رہو گے گمراہ نہ ہو گے، قرآن کریم اور سنتِ نبوی"

یہ ہمارے ایمان کی اصل الاصول ہے حتیٰ کہ رسولِ کریم صلی اللہ وآلہ وسلم کے راستہ سے ہٹ کر عبادت بھی عبادت نہیں رہتی۔

ہر مسلمان کے دل میں اللہ کریم کے بعد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کی شمع فروزاں ہے جتنا کوئی شخص اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوامر و نواہی کا پابند ہوگا، اتنا ہی اس کے دل میں حبِّ الٰہی اور عشقِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چراغ تابناک ہوگا اور جتنا کوئی شخص اوامر و نواہی سے گریزاں ہوگا اتنا ہی نورِ محبت مدھم ہوگا یہاں بات محبت کے زبانی و کلامی دعوئے سے نہیں بنتی بلکہ اصل چیز تو عمل ہے

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی !
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

اور عمل۔ عبادات و معاملات۔ غرضیکہ تمام ترحیاتِ انسانی پر محیط ہے صحابہ اکرام رضوان اللہ اجمعین عشقِ الٰہی اور عشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اعلیٰ درجہ پر پہنچے ہوئے تھے۔ اسی لیے ان کی زندگی پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کی مکمل چھاپ تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہِ دور بین دیکھ رہی تھی کہ ہر وہ دن جو آپ کے زمانہ سے دور تر ہوتا جائے گا۔ لوگوں کو احکامِ خداوندی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت سے دور کرتا جائے گا۔ اسی لیئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا۔

"تم ایک ایسے دور میں ہو کہ اگر کوئی شخص احکامِ الٰہی کا دسواں حصہ بھی چھوڑ دے تو برباد ہو جائے گا۔ پھر وہ زمانہ آئے گا

والا ہے کہ اگر کوئی احکامِ الٰہی کے دسویں حصے کے برابر بھی
عمل کرتے تو اس کی نجات ہو جائے گی۔

مزید فرمایا
"جس نے میری ایک سنت کو بھی جو میرے بعد ختم ہو چکی ہو زندہ
کیا وہ میرا محب ہے۔ اور جو میرا محب ہے وہ جنت میں میرے
ساتھ ہوگا"

سو آج وہی دور پُرفتن ہے جس کی نشاندہی رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی تھی۔ آج ہم برائے نام مسلمان ہیں۔ اہتمام پیروی سنت تو کجا ہم فرائض کی بجاآوری سے بھی مجرمانہ غفلت کے شکار ہیں۔

آج کی صحبت میں اس سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تذکرہ کرنا مقصود ہے جو ہمارے روزمرہ کے معمولات سے متعلق ہے۔ یہ روزمرہ معمولات اور دنیادی معاملات تو بہر طور انجام دیئے ہی ہوتے ہیں اگر ان امور کی انجام دہی میں سنت کی ادائیگی کی نیت سے صرف طریقہ کار بدل دیا جائے تو اتباعِ سنت کی سعادت اور خوشنودی باری تعالیٰ اور دولتِ رحمت و برکت حاصل ہو جائے گی اور دنیاوی امور بھی عبادت بن جائیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی میں انتہائی معمولی عمل بھی آخرت میں متاعِ گراں مایہ ثابت ہوگا۔ اس لیے کہ ایک سنت کو تازہ کرنا سو شہیدوں کے ثواب کا سزاوار ٹھہرتا ہے۔ اور کیا عجب کہ سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے دلوں میں حبّ النبی اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جوت جگانے اور صراطِ مستقیم پر چلانے کا موجب بن جائے۔

صبح آنکھ کھلتے ہی کلمہ شریف پڑھیں۔ کپڑے اور جوتے کو پہلے تین دفعہ جھٹکیں اور بسم اللہ پڑھ کر دائیں آستین اور پاؤں میں پہنیں اور اتارنے کے لیے الٹی ترتیب اختیار کریں۔ رفعِ حاجت کے لیے بیت الخلاء میں جاتے وقت پہلے بایاں پاؤں اندر رکھیں اور باہر آتے ہوئے دایاں پاؤں باہر نکالیں اور "غفرانک" کہیں۔

وضو میں عموماً اور بیدار ہو کر خصوصاً مسواک کریں۔ مسجد میں داخل ہوتے وقت پہلے دایاں پاؤں اندر رکھیں اور باہر آتے ہوئے بایاں پاؤں باہر نکالیں۔ نماز پڑھتے ہوئے پاجامہ، تہبند ٹخنوں سے اوپر رکھیں۔ فرض ادا کرنے کے بعد باقی ماندہ نماز کے لیے جگہ تبدیل کریں۔ مسجد میں غیر ضروری باتوں سے پرہیز کریں۔ ہر فرض کے بعد آیت الکرسی اور تسبیحات فاطمہ رضی اللہ عنہا پڑھیں اور مغرب اور صبح کی سنتوں میں سورۃ کافرون اور سورۃ اخلاص تلاوت کریں۔

کھانا تناول کرنے سے پہلے ہاتھ دھوئیں بسم اللہ پڑھ کر شروع کریں دونوں پاؤں پر بیٹھ کر یا بایاں زانو فرش پر لگائیں اور دایاں گھٹنا کھڑا کریں۔ پانی ہمیشہ بیٹھ کر اور تین سانسوں میں پیئیں۔ پلیٹ اچھی طرح صاف کریں اور بعد از طعام الحمدللہ کہیں

جب بھی کسی سے ملیں السلام علیکم کہنے اور مصافحہ کرنے میں پہل کریں مجلس میں جہاں کہیں جگہ ملے بیٹھ جائیں۔ بڑوں سے تعظیم چھوٹوں سے شفقت اور ہر کسی سے حسنِ اخلاق سے پیش آئیں راستہ سے پتھر یا کانٹا ہٹا دیں۔ بغیر اجازت کسی کے مکان میں داخل نہ ہوں اور بیمار۔۔۔ کی عیادت کریں۔ اور جب کوئی آپ کا کام کرے تو شکریہ ادا کریں۔

بستر پر جانے سے پہلے بستر کو کسی کپڑے سے تین بار جھاڑ لیں سوتے وقت دائیں کروٹ لیٹیں۔ سورۃ فاتحہ۔ آیت الکرسی اور معوذتین اور درود شریف پڑھ کر سوئیں۔

ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ
"جس کے لئے دعا کا دروازہ کھل گیا۔ اس کے لیے رحمت
کے دروازے کھل گئے"

سو ہمیں چاہیے کہ عام موقع پر بھی دعاؤں سے کام لیں۔ کسی خوشی کامیابی یا چھینک پر الحمدللہ، جواب میں یرحمکم اللہ، شکریہ ادا کرتے

بقیہ صفحہ ۱۰ پر

تصوّف اور اُس کی حقیقت

فیض الرحمٰن اسلام آباد

(قسط ۲)

جس وقت پہلی قسط مکمل کی تھی - اس وقت یہ خیال تھا۔ کہ دوسری قسط میں ان بزرگوں کے حالات (جن کی کتابوں سے اقتباسات پیش کیے تھے) پیشِ خدمت کرنے پر ہی اکتفا کیا جائے گا۔ لیکن جب ان کتابوں کا ذرا غور سے مطالعہ کیا تو عجیب و غریب باتیں سمجھ میں آئیں۔ اور بے اختیار جی چاہا کہ ان کا ذرا سا تفصیلی جائزہ لیا جائے، کیونکہ راہِ سلوک پر چلنے والوں کو بہت سی کام کی باتیں بلکہ بنیادی اصول انہی کتب میں ملیں گے۔ جیسا کہ اُستاذ المکرم بارہا فرمایا کرتے ہیں کہ شریعت کا ظاہری پہلو ہم تک سلف صالحین کے واسطہ سے پہنچا ہے۔ اور اگر ہم اُن کی اقتداء نہیں کریں گے تو گمراہی میں مبتلا ہو جائیں گے، اسی طرح شریعت کے باطنی پہلو پر عمل کرتے وقت بھی صوفیہ متقدمین کے احوال اور اقوال کو مدِ نظر رکھنا ہوگا۔ ورنہ صراطِ مستقیم سے بھٹکنے کا اندیشہ ہے۔

ان بزرگوں کے حالات پڑھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ ان لوگوں کے مجاہدات، ایثار اور خلوص کا معیار کتنا بلند تھا۔ اور دُنیاوی زندگی کو حقیقی معنوں میں اتنی ہی اہمیت دیتے تھے جو ایک مسافر رات بسر کرنے والی جگہ یا سرائے کو دیتا ہے، کہ رات بہت پُر تکلف اور آرام سے گذر گئی تو کیا، اور ذرا کم آرام ملا تو بھی بہت پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ اگر ہم ان بزرگوں کے معیار کو اپنا نہیں سکتے تو کم از کم ان کے حالات کا علم تو ہونا چاہیئے اس سے ہمارے دل میں آخرت کی اور نتیجۃً سلوک کی قدر و قیمت بڑھے گی، انشاء اللہ تعالےٰ ویسے بھی وہ لوگ جو کسی نے کہا ہے کہ :-

تازہ خواہی داشتن گر داغ ہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

ابھی ہم اللہ کا نام لے کر سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ (صاحب کشف المحجوب) کے حالات پیش کرتے ہیں جیسا کہ ان کی تصنیف[1] کے آغاز میں درج کئے گئے ہیں۔

حضرت سید علی ہجویری کی تاریخ ولادت کے بارے میں مورخین بالعموم خاموش ہیں۔ پھر بھی انتہائی امکانی تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا سالِ پیدائش جمادی الثانی سنہ ۳۹۹ھ سے شروع ہو کر جمادی الاول سنہ [illegible] میں ختم ہوتا ہے۔ وہ غزنہ میں پیدا ہوئے، والدہ ماجدہ محلہ ہجویر اور والد بزرگوار محلہ جلاب میں مقیم تھے، اسی رعایت سے انہیں

[1] مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۶۲ء

ہجویری جلابی کہتے ہیں۔ وہ حضرت ابوالفضل بن حسن ختلیؒ کے مرید تھے۔ حضرت ہجویری کے زمانے میں رائے راجو سلطان مسعود غزنوی کی طرف سے لاہور کا حاکم تھا وہ اُن کی بزرگی سے متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوا، تو انہوں نے اُسے شیخ ہندی کا لقب دیا، چنانچہ اس کی نسل کے لوگ آج تک حضرت کے مزارِ مقدس کے مجاور چلے آتے ہیں۔

حضرت سید علی ہجویری سلطان مسعود غزنوی (فرزند سلطان محمود غزنوی) کے زمانے میں غزنہ سے لاہور پہنچے شہر کے مغربی حصے میں آبادی سے باہر دریائے راوی کے کنارے جو اُس زمانے میں شہر کے قریب بہہ رہا تھا۔ ایک ایک چھوٹی سی مسجد بنائی۔ پھر اپنی پوری زندگی اسی مقصد کے لیئے وقف فرمادی۔ ان کی کوششوں کے نتیجہ میں پنجاب میں اسلام کو خوب ترقی ہوئی یہاں تک کہ جب سلطنتِ غزنویہ کے مرکز پر غوری قابض ہو گئے تو سلاطین غزنویہ نے لاہور کو اپنا مرکز بنا لیا۔ غرض حضرتِ ممدوح کی کوششوں سے اس نئی سرزمین میں اسلام کی اشاعت و تبلیغ کو خوب ترقی ملی اور یہیں سے یہ سلسلہ آگے بڑھا، بعد ازاں حضرت خواجہ معین الدینؒ اجمیری اور خواجہ قطب الدینؒ بختیار کاکی ہندوستان میں تشریف لائے۔ اور یہاں کی بولیاں سیکھ کر علی الترتیب اجمیر اور دہلی کو اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بنا لیا۔ حالانکہ اس وقت تک یہ مقامات اسلامی سلطنت میں شامل نہ ہوئے تھے۔ یہی بزرگ تھے جن سے تبلیغ و اشاعت کے سلسلے دور دور تک پہنچے۔

سالِ وفات کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ تاہم عام طور پر ۲۰ صفر ۴۶۵ھ ہی تاریخِ وفات سمجھی جاتی ہے۔ اکابر صوفیہ میں سے حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجریؒ، حضرت بابا فرید گنج شکرؒ اور بہت سے دوسرے بزرگوں نے ان کے مزارِ اقدس پر حاضر ہو کر روحانی فیوض و برکات حاصل کئے حضرت کی انہی عظیم القدر خدمات سے متاثر ہو کر علامہ اقبال فرماتے ہیں؎

سیدِ ہجویر مخدومِ اُمم
مرقدِ او پیرِ سنجر را حرم
عہدِ فاروقؓ از جمالش تازہ شد
حق ز حرفِ اُو بلند آوازہ شد
پاسبانِ عزتِ اُم الکتاب
از نگاہش خانۂ باطل خراب
خاکِ پنجاب از دمِ او زندہ گشت
صبحِ ما از مہرِ او تابندہ گشت
عاشق و ہم قاصدِ طیارِ عشق
از جبینش آشکار اسرارِ عشق

حضرت سید علی ہجویریؒ نے متعدد کتابیں تصنیف فرمائیں مثلاً کشف المحجوب، الرعایت بحقوق اللہ، کشف الاسرار، منہاج الدین البیان العیان، دیوانِ علی۔ لیکن ان سب میں کشف المحجوب بہترین اور جامع کتاب ہے بلکہ یہی کتاب آسانی سے دستیاب ہے۔ اس کتاب کو فارسی زبان میں اولین اور عمدہ ترین کتاب تصوف اور اپنے موضوع پر ایک امتیازی حیثیت رکھنے کا شرف حاصل ہے۔

اس کتاب کو اکیاون ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

پہلے پانچ ابواب میں تصوف اور درویشی کی حقیقت اور اس بارے میں مشائخ کے اقوال نقل کیے گئے ہیں، چھٹے باب سے لے کر انیسویں باب تک جلیل القدر صوفیہ کے احوال اور اقوال درج کیے گئے ہیں بیسواں اور اکیسواں باب صوفیہ کے مشہور فرقوں کے بارے میں ہے بائیسواں باب نفس کے بارے میں ہے باب نمبر تیئس، چوبیس اور پچیس ولیوں کی کرامات، معجزے اور کرامت میں فرق ولیوں پر نبیوں کی فضیلت جیسی تفاصیل سمیٹے ہوئے ہیں۔ چھبیسواں اور ستائیس واں باب غیبت و حضور، جمع و تفرقہ، فرقہ، ملامیہ اور روح کے بارے میں مشائخ کے ارشادات بیان کرتے ہیں، اٹھائیسویں باب سے لے کر انتالیسویں باب تک معرفت الہٰی کے بارے میں مشائخ کے ارشادات، توحید، ایمان کی حقیقت توبہ کی حقیقت، نماز کی حقیقت، زکاۃ روزے اور حج کی حقیقت جیسے موضوعات پر اظہار خیال کیا گیا ہے، چالیسویں باب میں مشاہدہ الہٰی کی حقیقت بیان کی گئی ہے باب نمبر ۴۱ تا ۴۳ میں سفر و حضر میں آداب صحبت کھانے کے آداب، چلنے کے آداب اور سونے کے آداب بیان کیے گئے ہیں، چوالیس تا چھیالیس ابواب میں کلام اور خاموشی کے آداب، سوال اور اس سے باز رہنے کے آداب اور نکاح اور تجرد کے آداب بیان کیے گئے ہیں سینتالیسویں اور اڑتالیسویں باب میں تصوف کی مشہور اصطلاحات کا تذکرہ کیا گیا ہے انچاسویں اور پچاسویں باب میں سماع اور اس کے احکامات اور متعلقات درج کیے گئے ہیں، آخری باب وجد، تواجد اور سماع کے آداب کے بارے میں ہے۔

مصنف کا پورا نام: حضرت ممدوح نے اپنا پورا نام اس طرح لکھا ہے۔

علی بن عثمان بن علی جلابی، غزنوی، ہجویری

کتاب پر اپنے نام کا اندراج:۔

حضرت مصنف کتاب پر اپنا نام درج کرنے کی وجہ بڑے دلچسپ انداز میں تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے آغاز کتاب میں جو اپنا نام درج کیا ہے اسکی دو وجوہات ہیں ایک کا تعلق خاص لوگوں سے ہے، ایک کا عام لوگوں سے

عام لوگوں کے بارے میں تو یہ بات ہے کہ جب اس علم سے بے بہرہ لوگوں کو کوئی نئی کتاب نظر آتی ہے جس پر جگہ جگہ نام درج نہ ہو، تو وہ اُسے اپنی طرف منسوب کر لیتے ہیں مجھے دو مرتبہ ایسا واقعہ پیش آیا۔ ایک مرتبہ یہ کہ کسی شخص نے میرے شعروں کا دیوان مجھ سے مانگ کر لیا۔ اس نے سارا دیوان اُلٹ پلٹ کر دیا اور میرا نام اس پر سے اُڑا کر میری ساری محنت برباد کر دی، خدا اس پر رحم کرے! دوسری دفعہ یہ کہ میں نے تصوف کے موضوع پر "منہاج الدین" کے نام سے ایک کتاب تالیف کی ایک کمینے مدعی نے (جس کا نام قابلِ ذکر نہیں) میرا نام اس پر سے مٹا دیا اور عوام پر یہ ظاہر کیا کہ کتاب خود اس نے لکھی ہے، اگرچہ خاص لوگ اس بات پر ہنسا کئے، یہاں تک کہ اس کی بے برکتی سے خدا نے اپنے طالبوں کی درگاہ کے دیوان سے اس کا نام ہی خارج کر دیا۔

خواص کے بارے میں یہ بات ہے کہ جب وہ کتاب اور اس کے مصنف کا نام دیکھیں گے (کہ اس کتاب کا مصنف ایک عالم اور محقق ہوا ہے) تو اس کو پڑھنے، یاد کرنے اور اس پر عمل کرنے میں زیادہ کوشش سے کام لیں گے۔

کتاب لکھنے کی وجہ تسمیہ:

ایک سائل (ابو سعید ہجویری) نے سوال کیا۔ مجھے بتایئے کہ طریقت و تصوف کی حقیقت کیا ہے؟ صوفیہ کے مقامات مذاہب و مقالات کیا ہیں؟ رموز و اشارات کیا ہوتے ہیں، عشقِ الٰہی اور دلوں پر اس کے نزول کا عالم کیا ہے؟ محبت حقیقی کی ماہیت کی دریافت سے عقلِ انسانی کے حجاب کی وجہ کیا ہے؟ اور اس تعلق میں تمام دوسرے اُمور پر روشنی ڈالیئے۔

مسئول یعنی علی بن عثمان جلابی نے (خدا اس کو توفیق دے) سوال کا جواب یوں دیا۔ واضح ہو کر ہمارے اس دور میں (اندازہ فرمایئے کہ مصنف پانچویں صدی ہجری کے نصف اول کی بات کر رہے ہیں اور اب پندرھویں صدی کا آغاز ہے) علم طریقت کہنہ و فرسودہ ہو چکا ہے بالخصوص ہمارے اس ملک میں تمام لوگ ہوا و ہوس میں گرفتار ہیں، زمانے کے عالموں اور وقت کے مدعیوں نے طریقت سے اختلاف کی صورت پیدا کر دی ہے خدا کے چند برگزیدہ بندوں کے سوا تمام خاص و عام نے حقیقت کو ترک کر کے صرف عبادت کو کافی سمجھ لیا ہے اور دل و جان سے حجاب کے خریدار بن گئے ہیں کام تحقیق سے خارج ہو کر تقلید میں پڑ گیا ہے، عوام اس پر اکتفا کرتے ہیں کہ ہم حق شناس ہیں، خواص اس پر شاد ہیں کہ دل میں اس کی تمنا قلب میں احساس اور سینے میں طریقت کا ذوق و شوق رکھتے ہیں، تصوف کے جھوٹے مدعی دعوے کے باوصف، حقائق معلوم کرنے سے قاصر رہ گئے ہیں مرید مجاہدے سے دستکش ہو کر ظن فاسد کو مشاہدہ کہنے لگے۔ اس سے قبل بھی میں نے تصوف کے موضوع پر متعدد کتابیں تالیف کی تھیں جو سب کی سب ضائع ہو گئیں، تصوف کے جھوٹے مدعیوں نے ان میں سے بعض نکات لوگوں کو فریب دینے کی غرض سے چن لیئے اور باقی کو دھو کر تلف کر دیا ایک اور گروہ نے باقی حصے دھو کر مٹائے تو نہیں، لیکن ان کا مطالعہ بھی نہیں کیا، دوسرے گروہ نے ان حصوں کا مطالعہ کیا، مگر مطلب سے بے بہرہ رہے اور محض عبارت پر اکتفا کی تاکہ اسے تحریر میں لا کر رٹ لیں اور کہیں کہ ہم تصوف اور معرفت کے علم کی تشریح کر رہے ہیں۔

اس سے پیشتر بھی اس علم سے بے بہرہ لوگوں نے مشائخ تصوف کی کتابوں سے ایسا ہی افسوس ناک سلوک روا رکھا ہے، جب شاہی باز کسی بڑھیا کے کاشانے کی دیوار پر جا بیٹھتا ہے تو اس کے بال و پر کاٹ دیئے جاتے ہیں۔ خدائے بزرگ و برتر نے ہمیں ایسے زمانے میں پیدا کیا جس کے لوگوں نے ہوا و ہوس کا نام شریعت، جاہ و ریاست کی طلب اور تکبر کا نام عزت و علم رکھ دیا ہے خلقت سے ریاکاری کو خوفِ الٰہی اور دل کے اندر کینہ پوشیدہ رکھنے کو علم سے موسوم کر دیا ہے، فضول جنگ و جدل کو مناظرہ، باہم لڑائی جھگڑے اور نادانی کو پاکدامنی قرار دے دیا ہے منافقت کا نام پرہیزگاری، جھوٹی آرزو کا ارادت، نفسانی وسوسے کا عشق الٰہی، گمراہی کا فقر، انکارِ حق کا برگزیدگی، لادینی کا فنا، شریعت رسولؐ سے برگشتہ ہو جانے کا طریقت، اور اہل زمانہ کی آفت کا نام مجاہدہ رکھ دیا ہے۔ یہاں تک کہ معارفِ حق کے راز آشنا لوگ اس جہان سے یکسر الگ تھلگ ہو گئے ہیں اور دنیا داروں نے غلبہ پا لیا ہے، ارباب حقائق کے بادشاہ

ابو بکر الواسطی کیا خوب فرما گئے ہیں:۔
"ہم ایسے زمانے میں آزمائش کے اندر ڈالے گئے ہیں، جس میں نہ اسلام کے آداب ہیں اور نہ جاہلیت کے اخلاق و مروت"

کتاب کا نام کشف المحجوب رکھنے کی تفصیل

یہ جو میں نے کہا ہے کہ اس کتاب کا نام کشف المحجوب کیوں رکھا، تو اس سے مراد یہ ہے کہ جو کچھ کتاب کے اندر ہے خود کتاب کا نام ہی اس کی گواہی دے خصوصاً بصیرت رکھنے والے لوگ جب کتاب کا نام سنیں۔ تو ان پر واضح ہو جائے، کہ کتاب کے اندر کیا کچھ ہوگا، معلوم رہے کہ دنیوں اور درگاہِ الٰہی کے مقربوں کے سوا ساری دنیا ارحق کی رمز سے پردے میں ہے، چونکہ یہ کتاب راہِ حق کے بیان، کلماتِ حق کی شرح اور بشریت کے پردے اٹھا دینے کے لیے تالیف کی گئی ہے، لہٰذا اس نام کے سوا کوئی دوسرا نام موزوں نہ تھا

حجاب کی دو قسمیں ہیں:

ایک حجاب رینی یعنی فطری اور یہ قطعاً نہیں اٹھ سکتا۔ یوں سمجھ لیں کہ کوئی انسان ایسا ہوتا ہے جس کے نزدیک حق و باطل برابر ہوتے ہیں، دوسرا حجاب غینی یعنی عارضی یہ جلد اٹھ جاتا ہے ایسے لوگ ہمیشہ حق کے طالب اور باطل سے گریزاں ہوتے ہیں، جب آئینے کو زنگ لگ جائے تو صیقل سے صاف ہو جاتا ہے لیکن پتھر سے آئینہ نہیں بنایا جا سکتا اگرچہ کتنے ہی صیقل کرنے والے جمع ہو جائیں۔ غرض میں نے یہ کتاب اس لیے تالیف کی ہے کہ یہ اُن دلوں کو صیقل کر کے صاف کر دے، جو تاریکی کے حجاب میں مبتلا ہیں، لیکن نورِ حق کا سرمایہ اُن کے اندر موجود ہے، تاکہ اس کتاب کے مطالعے سے تاریکی کا حجاب اُٹھ جائے اور حقیقتِ معنی کا راستہ مل جائے، جن لوگوں کی فطرت اور خمیر ہی میں حق سے انکار اور باطل کا ارتکاب ہوتا ہے انھیں دلائل و شواہد کے باوجود راہِ حق نہیں ملتی، لہٰذا ایسے لوگوں کو اس کتاب سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

توفیق و امداد الٰہی:

میں خدا سے توفیق اور امداد چاہتا ہوں۔ کیونکہ خدا کے سوا بندے کا کوئی مددگار نہیں جو امورِ خیر میں اس کی اعانت کرے اور زیادہ عمل کی توفیق دے، توفیق کا مطلب یہ ہے کہ امورِ خیر میں خدا کی تائید کو بندے کے فعل سے موافقت ہو، کتاب اللہ اور سنتِ نبوی توفیق خداوندی کی صحت پر ناطق ہے ساری اُمت کا اجماع اسی پر ہے بجز معتزلیوں اور قدریوں کے جو توفیق کے لفظ کو ہر قسم کے معنی سے خالی سمجھتے ہیں، مشائخ طریقت کے ایک گروہ کا قول ہے۔
توفیق عمل کے وقت اطاعت کی قوت ہے۔ جب بندہ خدا کا حکم بجالاتا ہے، تو خدا کی طرف سے اسے پہلے سے زیادہ طاقت اور قوت عطا ہوتی ہے، تمام حالات میں بندے کی جملہ حرکات و سکنات خدا کا فعل اور اس کی تخلیق ہیں، اس لیے وہ قوت جس سے بندہ خدا کے حکم کی تعمیل کرتا ہے، توفیق کہلاتی ہے۔

علم اور عمل:

علماء کی تعریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بے شک اللہ کے بندوں میں عالم لوگ ہی اُس سے خوف کھاتے ہیں یہ علم اس قدر حاصل کرنا فرض ہے جس سے عمل درست ہو

بس تھوڑے علم کے ذریعے سے بہت سا عمل کرنا چاہیئے اور لازم ہے کہ علم کے ساتھ ساتھ عمل بھی ہو، علم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک علم الہٰی دوسرا علم مخلوق بندے کا علم، علم الہٰی کے مقابلے میں ہیچ ہے۔ حضرت حاتم اصمؒ فرماتے ہیں کہ میں نے چار علم اختیار کر لئے اور دنیا کے تمام علموں سے نجات پائی۔

پہلا یہ کہ میں نے جان لیا کہ میرا رزق میری قسمت میں لکھا جا چکا ہے، جو زیادہ یا کم نہیں ہو سکتا، اس لئے میں زیادہ کی طلب سے بے غم ہو گیا ہوں۔

دوسرے یہ کہ میں نے جان لیا کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا ایک ایسا حق ہے جو میرے سوا کوئی ادا نہیں کر سکتا، لہٰذا میں اُس کے ادا کرنے میں مصروف ہو گیا ہوں تیسرے یہ کہ کوئی چیز میری تلاش میں ہے یعنی موت اور میں اُس سے بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتا، چوتھے یہ کہ میرا آقا ہے جو میرے حالات سے آگاہ ہے، لہٰذا مجھے اس سے شرم آئی اور ناروا ہاتھوں سے ہاتھ اُٹھا لیا۔

معرفت اور شریعت:

علم کی دو قسمیں ہیں۔ علم اصول۔ علم فروع۔

علم اصول کا ظاہر قولِ شہادت ہے اور باطن معرفت کی تحقیق، علم فروع کا ظاہر دینی معاملات کی تعلیم ہے اور باطن نیت کی درستی ان میں سے ہر ایک کا قیام دوسرے کے بغیر ممکن نہیں، حقیقت کا ظاہر باطن کے بغیر منافقت ہے اور باطن ظاہر کے بغیر شرک و بے دینی۔ شریعت کا ظاہر بغیر باطن کے نقصان ہے اور باطن بغیر ظاہر کے ہوس شریعت کا رکن اول کتاب اللہ ہے دوسرا رکن سنت رسولؐ ہے، تیسرا رکن اجماعِ اُمت ہے جیسا کہ حضورؐ نے فرمایا۔ کہ میری اُمّت گمراہی پر متفق نہیں ہو سکتی، تم پر اہل حق کی اکثریت کی پیروی لازم ہے۔ ایک دفعہ مجھے کسی ایسے صاحب علم سے مناظرے کا اتفاق ہوا جس نے تکبر کی کلاہ کا نام عزت، ہوا و ہوس کی پیروی کا نام سنتِ رسولؐ اور شیطان کی تائید کا نام آئمہ دین کی سیرت قرار دے رکھا تھا۔ اس نے مناظرے کے دوران کہا کہ ملحدوں کے بارہ گروہ ہیں جن میں سے ایک گروہ صوفیہ کا ہے، میں نے کہا اگر ایک گروہ صوفیہ صوفیہ میں سے ہے تو گیارہ گروہ تم لوگوں میں سے ہیں، صوفیہ ایک گروہ ہونے پر بھی جس عمدگی سے اپنی حفاظت کر سکتے ہیں تم گیارہ گروہ ہونے پر بھی ویسی حفاظت نہیں کر سکتے لیکن بسبب کچھ اہل زمانہ کی بے دینی و گمراہی اور ان آفتوں کا نتیجہ ہے جو آج کل نازل ہو رہی ہیں اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ اپنے اولیاء کو ان لوگوں کے درمیان چھپائے رکھا ہے اور ان لوگوں کو اپنے اولیاء سے دُور رکھا ہے۔

صوفیہ کے اقوال:

محمد بن فضل بلخیؒ فرماتے ہیں علم کی تین قسمیں ہیں۔

(الف) وہ علم جو اللہ کی طرف سے حاصل ہو۔

(ب) وہ علم جو اللہ کی معیّت میں حاصل ہو۔

(ج) وہ علم جو اللہ کی ذات و صفات کے بارے میں ہو۔

(ا) علم باللہ: معرفت ہے کہ تمام نبیوں اور ولیوں نے اللہ کو اُسی سے پہچانا جب تک اللہ کی طرف سے اُسے پہچاننے کی توفیق انھیں نصیب نہیں ہوتی انہوں نے اُسے نہیں پہچانا کیونکہ انسان کا علم حق تعالیٰ کی معرفت کا سبب نہیں بن سکتا۔

(ب) علم من اللہ: علم شریعت ہے جو اس کی طرف سے ہمیں نیک کاموں کا حکم دیتا ہے اور برائی سے بچنا لازم ٹھہراتا ہے

(ج) علم مع اللہ: قرب خداوندی کے مقامات اور دینوں کے درجے بیان کرنے کا علم ہے۔

پس معرفتِ الٰہی قبولِ شریعت کے بغیر اور شریعت کا عمل اظہار مقامات کے بغیر درست نہیں ہو سکتا۔ حضرت ابوبکر وراق ؒ فرماتے ہیں، جو شخص توحید الٰہی کے علم سے صرف اس کی عبارت کافی سمجھتا ہے اور تقویٰ اختیار نہیں کرتا وہ بے دین ہے اور جو شخص صرف فقہ و شریعت کے علم پر کفایت کرتا ہے وہ فاسق ہے اس سے مراد یہ ہے کہ عمل و مجاہدہ کے بغیر توحید الٰہی کا نرا اقرار جبر ہے (یہ عقیدہ کہ انسان ہر فعل میں مجبور ہے وہی کام کر سکتا ہے جو اسکی تقدیر میں لکھا جا چکا ہے) اصلی موحد وہ ہے جو قول میں جبری اور فعل میں قدری ہو تاکہ اس کا رویہ قدر اور جبر کے درمیان درست رہے (قدر: یہ عقیدہ کہ انسان اپنے ہر فعل پر قادر ہے) اس قول کی حقیقت یہ ہے کہ توحید جبر سے نیچے اور قدر سے اوپر ہے۔"

حضرت یحییٰ بن معاذ رازی ؒ نے کیا خوب فرمایا۔ کہ تین قسم کے لوگوں کی صحبت سے پرہیز کرو۔
غافل علماء۔ خوشامدی قاری اور جاہل صوفیہ

حضرت بایزید بسطامی ؒ فرماتے ہیں "میں نے تیس سال مجاہدے میں صرف کئے اور اپنے لیئے کوئی چیز اس سے زیادہ مشکل نہ پائی۔ کہ علم حاصل کر کے اس پر عمل کیا جائے بندے کے علم کا کمال علم الٰہی کے مقابلے میں جہالت ہے تمہیں صرف اتنا علم ہونا چاہیے کہ تم کچھ علم نہیں رکھتے خدا کی حقیقت کے پا لینے سے عاجز ہونا ہی اس کی حقیقت کا پا لینا ہے، جو عالم معرفت کا علم نہیں پڑھتا۔ اور جہالت پر بعند ہوتا ہے وہ مشرک ہے جو علم پڑھتا ہے اس سے علم کا غرور اٹھ جاتا ہے۔ وہ سمجھ لیتا ہے کہ اس کا علم معرفتِ الٰہی میں عاجزی کے سوا کچھ نہیں، یہ عجزی اس کے لئے علم کی تہہ تک پہنچ جاتا ہے۔

مخلوق کی ملامت:

مردانِ خدا سارے جہان میں مخلوق کی ملامت سے مخصوص ہیں بالخصوص اس اُمت کے بزرگ اور خود رسول اللہ صلعم جو مردانِ خدا کے پیشوا اور عاشقانِ الٰہی کے پیشرو تھے، جب تک حضورؐ پر برہانِ حق (نبوت) ظاہر نہ ہوئی تھی۔ اور وحی الٰہی کا نزول نہ ہوا تھا آپ تمام لوگوں کے نزدیک نیک نام اور بزرگ تھے جب خدا نے آپکو محبوبیت کے خلعت سے مزیّن کیا تو لوگوں نے زبانِ ملامت دراز کی، ایک جماعت نے کہا۔ وہ کاہن (نجومی) ہیں دوسری نے شاعر، تیسری نے دیوانہ اور چوتھی نے جھوٹا قرار دیا، اسی طرح خدائے عزوجل نے مومنوں کی تعریف میں فرمایا ہے (وہ ملامت کرنے والوں کی ملامت سے نہیں ڈرتے یہ خدا کا فضل ہے جسے وہ چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ بہت وسعت والا ہے اسے ہر چیز کا علم ہے) یہ حق تعالےٰ کی غیرت ہے کہ وہ اپنے محبوں کو غیر کے چشم زخم سے محفوظ رکھتا ہے پس اسی وجہ سے مخلوق ان کے لئے متعین کر دی جاتی ہے کہ ان پر زبانِ ملامت دراز کریں ملامت کرنے والا نفس اُن کے اندر رکھ دیا ہے تاکہ وہ اُنہیں

اُن کے افعال پر ملامت کرتا رہے۔

ایک دن شیخ ابوطاہر حرمیؒ گدھے پر سوار جا رہے تھے۔ ایک مرید نے اُن کے گدھے کی باگ تھام رکھی تھی کوئی شخص بول اُٹھا کہ یہ بے دین پیر آرہا ہے، جب اس مرید نے یہ بات سُنی تو غیرتِ ارادت سے اس شخص کو زدوکوب کرنے کا قصد کیا، اس پر تمام اہلِ بازار برانگیختہ ہوگئے شیخ نے مرید سے کہا اگر تو چپ رہے اور غصہ تھوک دے تو میں تجھے ایک ایسی بات بتاؤں کہ تو اس ابتلاء سے خلاصی حاصل کرے، جب وہ اپنے ڈیرے پر پہنچے تو مرید سے کہا وہ صندوق اٹھا لاؤ اور کہا دیکھ مختلف لوگوں کے خطوط ہیں جو انہوں نے مجھے ارسال کئے ہیں، ایک شخص نے مجھے شیخ الاسلام، ایک نے شیخ زکی اور ایک نے کسی اور نام سے یاد کیا، یہ تمام میرے القاب ہیں نہ کہ نام میں ان میں سے کسی ایک کے بھی لائق نہیں، ہر ایک نے اپنی عقیدت کے مطابق میرا ایک لقب رکھا ہوا ہے اگر اس غریب نے مجھے اسی طرح کا اپنی سمجھ کے مطابق کوئی لقب رکھ دیا، تو تُو نے یہ سارا بکھیڑا کیوں ڈالا۔

حضرت ابراہیم بن ادھمؒ سے کسی شخص نے دریافت کیا کہ کبھی آپ کی دلی مراد بھی پوری ہوئی ہے، انہوں نے جواب دیا ہاں۔ دو بار، ایک بار تو میں کشتی میں تھا اور وہاں کوئی بھی مجھے پہچانتا نہ تھا میں نے پھٹی ہوئی گدڑی اوڑھ رکھی تھی، میرے بال لمبے تھے اور میں ایسے حال میں تھا کہ تمام کشتی والے مجھ پر افسوس کرتے اور ہنستے تھے کشتی میں ایک مسخرہ تھا جو گھڑی گھڑی آتا میرے سر کے بال کھینچتا اور نوچتا، وہ میرا مضحکہ اُڑاتا اور مجھے ذلیل کرتا تھا، میں سمجھتا تھا کہ میری مراد حاصل ہوگئی اور اپنے نفس کی اس ذلت پر خوش ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ ایک مرتبہ وہ خوشی انتہا کو پہنچ گئی، جب اس مسخرے نے میرے اوپر پیشاب کر دیا۔ دوسری دفعہ جب موسلادھار مینہ برس رہا تھا تو میں ایک گاؤں میں پہنچا سردی کی وجہ سے میرا روآں روآں کانپ رہا تھا میرے جسم کی گدڑی بھیگ گئی تھی میں ایک مسجد میں جا پہنچا لیکن وہاں مجھے رہنے کو کوئی جگہ نہ ملی پھر دوسری، پھر تیسری مسجد میں گیا وہاں بھی مجھے ٹھہرنے نہ دیا گیا، اس طرح میں سخت تنگ ہوا اور سردی میرے دل کی رگ رگ میں سرائیت کر گئی، میں ایک حمام کے اندر چلا گیا اور گدڑی کو آگ کے اوپر رکھ دیا اس کا دھواں نیچے سے نکل کر اوپر آگیا، میرا کپڑا اور چہرہ دونوں سیاہ ہو گئے اس رات بھی میری مراد حاصل ہوگئی تھی۔

خود مجھے (علی بن عثمان جلابی کو یعنی مصنف کو) ایک بار ایسا ہی واقعہ پیش آیا میں نے اس اُمید پر کہ عقدہ حل ہو جائے بہت جدوجہد کی لیکن حل نہ ہوا اس سے قبل اس قسم کا ایک پیچیدہ عقدہ سامنے آیا تھا۔ میں نے شیخ بایزیدؒ کے مزار پر جا کر مجاوری کی کہ وہ حل ہو جائے۔ مگر حل نہ ہوا میں روزانہ تین مرتبہ غسل اور تین مرتبہ وضو کرتا تھا اس توقع پر کہ وہ عقدہ مجھ پر کھل جائے لیکن وہ نہ کھلا، میں وہاں سے اُٹھا اور خراسان کے سفر کا ارادہ کیا، چلتے چلتے ایک شب میں موضع مکس میں پہنچا وہاں ایک خانقاہ کے اندر صوفیوں جیسا ایک گروہ تھا میں ایک سخت اور پرانی گدڑی اوڑھے ہوئے تھا اور رواجی صوفیوں کے سازوسامان میں سے عصا اور لوٹے کے سوا میرے پاس کچھ نہ تھا۔ اس گروہ کی

نظر میں مَیں بہت ذلیل ہوا، کوئی بھی مجھے پہچانتا نہ تھا وہ باہم ریکہا کہتے تھے کہ یہ شخص ہم میں سے نہیں، درست قول وہی تھا جو وہ کہہ رہے تھے کہ میں ان میں سے نہ تھا، لیکن اس رات میرا وہاں رہنا ناگریز تھا، انہوں نے مجھے ایک بالاخانے میں بٹھا دیا اور خود اس سے زیادہ اونچے بالاخانے میں چلے گئے میں فرش پر تھا، انہوں نے خشک اور باسی روٹی جو پھپھوندی سے سبز ہوگئی تھی میرے آگے رکھی جو طعام وہ کھا رہے تھے اس کی بُو مجھے آرہی تھی وہ اپنے بالاخانے سے میرے ساتھ طنزیہ انداز میں باتیں کر رہے تھے۔

جب وہ کھانا کھا چکے تو میری تذلیل کے لیے خربوزے کھا کر اس کے چھلکے میرے اوپر پھینکتے جاتے تھے میں دل ہی کہتا تھا یا رب الہٰا، اگر وہ تیرے دوستوں کا لباس نہ پہنے ہوتے تو میں ہرگز اُن سے ایسی تذلیل نہ کرواتا - ان کی طرف سے مجھ پر طعن کا جتنا اضافہ ہوتا جاتا تھا اتنا ہی میرا دل حظ و سرور محسوس کرتا تھا۔ حتیٰ کہ یہ تذلیل سہنے کے باعث وہ پُرپیچ عُقدہ حل ہوگیا۔ اسی وقت سمجھ میں آگیا کہ مشائخ طریقت نے کس وجہ سے جاہلوں کو اپنے حلقے میں داخل ہونے کی راہ دیدی ہے اور ان کی تذلیل کا بارکیوں اٹھاتے ہیں۔

صحابہؓ میں سے صوفیہ کے امام

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ: صحابہؓ میں سے اسلام کے شیخ، پیغمبروں کے بعد سب سے بزرگ ترہستی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ اول، مسلمانوں کے امام، اہل تجرید کے سردار، ارباب تفرید کے شہنشاہ امیرالمومنین حضرت ابوبکر عبداللہ بن عثمان الصدیق جن کی کرامتیں مشہور اور معاملات وحقائق میں دلائل روشن ہیں، مشائخ طریقت ان کی حکایت و روایت کی قلت کے باعث انہیں ارباب مشاہدہ کے رہنما اور حضرت عمر رضؓ کو امور دینی میں شدت کے باعث ارباب مجاہدہ کے سردار تسلیم کرتے ہیں اہل علم کے درمیان مشہور ہے کہ رات کو جب حضرت ابوبکر رضؓ صدیق نماز ادا کرتے تو قرآن آہستہ پڑھتے اور حضرت عمر رضؓ بلند آواز سے حضورؐ نے حضرت ابوبکر رضؓ صدیق سے پوچھا کہ تم آہستہ کیوں پڑھتے ہو؟ عرض کی میں اس ذات کو سناتا ہوں جس سے راز کی باتیں کہہ سکتا ہوں کیونکہ مجھے علم ہے وہ مجھ سے غائب نہیں۔ اور اس کی سماعت کے نزدیک آہستہ و بلند پڑھنا دونوں یکساں ہیں، جب آنحضرتؐ نے حضرت عمر رضؓ سے دریافت فرمایا تو انہوں نے گذارش کی، میں سوتے ہوؤں کو جگاتا اور شیطان کو پرے ہٹاتا ہوں، حضرت عمر رضؓ کا یہ قول ان کے مجاہدے کی خبر دیتا ہے اور حضرت ابوبکر رضؓ کا وہ قول ان کے مشاہدے کا مظہر ہے مجاہدے کے مقام کو مشاہدے کے مقام سے وہی نسبت ہے جو قطرے کو سمندر سے، حضورؐ کا ارشاد ہے "تیری حیثیت ابوبکرؓ کی نیکیوں کے مقابلے میں ایک نیکی جتنی ہے"

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے متعلق روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا، تمہارا گھر فنا ہونے والا ہے اور ہمارے حالات مستعار (عارضی) ہیں اور ہمارے سانس گنتی کے اور دین میں ہماری سستی موجود ہے، پس فانی گھر کی آبادی جہالت گنتی کے چند سانسوں پر دل لگانا غفلت اور دین کی سستی کو دین کہنا گناہ ہے۔ دنیا اور اس کی چیزیں

ایسی نہیں کہ ان میں دل لگایا جائے کیونکہ جب تو فانی میں مشغول ہو جائے گا تو باقی سے پردے میں رہے گا چونکہ نفس اور دنیا طالب کے لئے حق تعالےٰ سے پردے کا سبب ہیں لہٰذا ولیوں نے ان دونوں سے روگردانی کی انہوں نے مناجات میں فرمایا:

" اے خدا میرے لئے دنیا وسیع کر دے اور
مجھے اس سے بچا کے رکھو۔"

اس میں ایک رمز ہے۔ یعنی پہلے مجھے دنیا عنایت کر کے ادائے شکر کروں پھر اس امر کی توفیق عطا فرما کر صرف تیری رضا کے لیے اس سے ہاتھ اٹھاؤں اور روگرداں ہو جاؤں۔ تاکہ شکر اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے کا درجہ بھی حاصل کروں۔

امام زہری رض راوی ہیں کہ جب لوگوں نے حضرت صدیق اکبر رض سے بیعت خلافت کی تو انہوں نے منبر پر بیٹھ کر فرمایا "خدا کی قسم میں نے نہ کسی دن اور نہ کسی رات خلافت کی خواہش کی، نہ مجھے اس کی رغبت تھی، نہ میں نے پوشیدہ اور ظاہر خدا سے کبھی اس کی طلب کی۔ نہ مجھے خلافت میں کوئی راحت ہے"
جب اللہ تعالےٰ بندے کو صدق کی معراج عطا کرتا اور عزو وقار کے مقام پر جگہ دیتا ہے تو وہ فرمان الٰہی کے وارد ہونے کا انتظار کرتا ہے، اگر فرمان آتا ہے کہ وہ فقیر ہو جائے، تو فقیر ہو جاتا ہے، اگر فرمان آتا ہے کہ امیر ہو جائے تو امیر ہو جاتا ہے اس میں کسی قسم کا تصرف نہیں کرتا، جیسا کہ حضرت صدیق اکبر رض شروع سے آخر تک تسلیم امر حق کے سوا اور کسی مسلک پر گامزن نہیں ہوئے، کیونکہ وہ تمام مسلمانوں کے بالعموم اور اہل طریقت کے بالخصوص دینی امام ہیں۔

حضرت عمر رض بن الخطاب:-

صحابہ رض میں سے ایمان والوں کے سالار، احسان والوں کے مرشد، تحقیق والوں کے امام اور بحر عشق کے پیراک حضرت ابوحفص عمر بن الخطاب رض ہیں جن کی کرامتیں مشہور اور امور دینی میں نکتہ رسی کی باتیں زبان زد عام ہیں، وہ دینی معاملات میں فہم و ذکا اور شدید پابندی سے مخصوص ہیں طریقت میں اُن کے بے حد لطیف اقوال اور رموز و نکات ہیں۔ ان کے متعلق حضور کا ارشاد ہے "خدا عمر رض کی زبان پر بات کرتا ہے" حضور نے یہ بھی فرمایا "گذشتہ امتوں میں محدّث ہوئے ہیں پس اگر میری اُمت میں کوئی محدث ہے تو وہ عمر ہے" طریقت میں اُن کے ان گنت لطیف رموز ہیں، جو سب کے سب شمار نہیں کئے جا سکتے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا "تنہائی بُرے مصاحبوں کے مقابلے میں راحت ہے"

دل کی یہ کیفیت حضرت عمر رض میں ٹھیک ٹھیک پائی جاتی تھی جنہوں نے عزلت کو راحت بتایا حالانکہ وہ بظاہر مخلوق کے درمیان امارت اور خلافت کے فرائض کی انجام دہی میں مصروف رہتے تھے ان کا ایک اور قول ہے "جس مکان کی بنیاد بلا و زحمت پر رکھی گئی ہو اس کا بلا و زحمت سے خالی ہونا غیر ممکن ہے"۔ ان کے آغاز اسلام کے زمانے میں حضرت جبرئیل آئے رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا۔ "اے محمد! آج آسمان والوں نے

عمرؓ کے قبول اسلام پر مسرت کا اظہار کیا ہے۔" وہ دین اسلام و دنیا کے تمام معاملات میں ساری اُمت کے امام ہیں۔

حضرت عثمانؓ بن عفان:

صحابہؓ میں سے حیاء کا خزانہ اہل صفا میں سب سے زیادہ عبادت کرنے والے، رضائے الہٰی کی درگاہ سے نسبت رکھنے والے اور حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کے حسنِ طریقت سے آراستہ و پیراستہ حضرت ابو عمر عثمانؓ بن عفان جن کے فضائل تمام معاملات میں روشن ہیں اور اوصاف عیاں ہیں، حضرت عبداللہ بن رباحؓ اور ابو قتادہؓ راوی ہیں کہ محاصرے کے روز ہم ان کے پاس تھے جب بلوائی در دولت پر جمع ہو گئے تو ان کے غلاموں نے ہتھیار اٹھا لیئے، اس پر حضرت عثمانؓ نے فرمایا، جو شخص ہتھیار نہ اٹھائے وہ میرے مال سے آزاد ہے، ہم ڈر کے مارے باہر نکلے تو حضرت حسنؓ بن علیؓ ہمیں راستے میں ملے، چنانچہ ہم ان کے ساتھ لوٹ کر حضرت عثمانؓ کے پاس آئے، جب حضرت حسنؓ اندر آئے، تو پہلے انہیں سلام کیا، پھر اُن کی اس مصیبت پر اظہار افسوس کرتے ہوئے عرض کیا، اے امیر المومنینؓ! میں آپ کے حکم کے بغیر تلوار بے نیام نہیں کر سکتا، آپ امام برحق ہیں، مجھے حکم دیجئے تاکہ میں آپ کو ان لوگوں کی مصیبت سے نجات دلاؤں۔

حضرت عثمانؓ نے جواب دیا۔ اے بھتیجے لوٹ کر گھر میں بیٹھ جاؤ۔ حتیٰ کہ خدا اپنا حکم صادر کرے ہمیں خون گرانے کی ضرورت نہیں" یہ امر دوستی کے مقام میں نزولِ بلا کے وقت تسلیم و رضا کی نشانی ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جب حضرت جبریل امین تشریف لائے۔ اور پوچھا، کیا آپ کو کسی چیز کی حاجت ہے؟ آپ نے فرمایا تیری طرف میری کوئی حاجت نہیں حضرت جبریل بولے، پھر اللہ سے مدد طلب کیجئے آپ نے فرمایا، اُس کا میرے حال سے آگاہ ہونا میرے سوال کے لیئے کافی ہے یعنی وہ بخوبی آگاہ ہے کہ مجھے کس مصیبت کا سامنا ہے اُسے مجھ سے زیادہ میرے حال کی خبر ہے پس اس مقام پر حضرت عثمانؓ کی کیفیت بالکل وہی تھی جو حضرت خلیل اللہ کی تھی پس صوفیہ کا گروہ جان و مال کو اللہ کی راہ میں صرف کرنے، اپنے تمام معاملات خدا کو سونپنے اور عبادت میں اخلاص کے متعلق حضرت عثمانؓ ہی کی پیروی کرتا ہے وہ دراصل شریعت و حقیقت میں امام برحق ہیں

حضرت علیؓ بن ابی طالب:

بحرِ بلا میں ڈوبے ہوئے، آتشِ عشق میں جلے ہوئے تمام ولیوں اور خدا کے برگزیدہ بندوں کے پیشوا۔ حضرت ابوالحسن علیؓ بن ابی طالب، طریقت میں اُن کی شان بڑی اور مرتبہ بہت اونچا ہے کسی شخص نے عرض کی کہ اے امیر المومنین! مجھے کوئی وصیت کیجئے فرمایا۔ دیکھ اپنے اہل و عیال میں مشغول ہونے کو اپنا شغل نہ بنا لینا، کیونکہ اگر تیرے اہل و عیال خدا کے دوستوں میں سے ہیں، تو خدا اپنے دوستوں کو ہرگز ضائع نہیں کرتا، اور اگر وہ خدا کے دشمن ہیں تو خدا کے دشمنوں کے لیئے تیرا غم کھانا اور اُن میں مشغول ہونا کسی بھی صورت میں روا نہیں۔ (باقی ص ۱۵ پر)

تاریخ وصال

۲۷ اپریل ۔ یکم رجب ۲۰۴ھ

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

تحریر صاحبزادہ قاری کفایت احمد رتوی

حضرت امام شافعیؒ کا نام محمد تھا آپ کی کنیت ابو عبداللہ اور لقب تھا ناصر الحدیث آپ کے والد ماجد کا نام ادریس بن عباس تھا ۔ ابتداء میں آپ کے والد ماجد مدینہ طیبہ کے قریب ایک قصبے میں رہا کرتے تھے لیکن بعد میں مدینہ ہی رہائش اختیار کر لی ، آپ کا سلسلۂ نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے ، یعنی محمد بن ادریس ابن عباس بن شافع ابن السائب ابن جنید ، بن عبد یزید کے بعد دو پشتوں میں ہاشم بن عبد مناف تک پہنچ جاتا ہے اس طرح عبد مناف پر آکر امام شافعیؒ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم جدی ہو جاتے ہیں ۔ آپ حضور اکرمؐ کے دادا حضرت عبدالمطلب کی اولاد میں ہونے کے سبب مطلبی کہلاتے ہیں آپ کی والدہ یمن کے مشہور معروف قبیلے ارزو سے تھیں آپ کے آباؤ اجداد کا اصلی وطن یمن تھا اس لیئے آپ مطلبی ہونے کے علاوہ ہاشمی بھی تھے امام شافعی کی تاریخ پیدائش کے سلسلے میں مختلف روائیتیں ہیں اکثر راویوں کے قول کے مطابق وہ غزہ میں پیدا ہوئے لیکن ایک دوسری روایت کے مطابق یہ بھی ہے کہ ولادت عسقلان میں ہوئی جو غزہ سے تین فرسخ پر واقع ہے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ امام شافعی کی ولادت یمن میں ہوئی ہے ان روائیوں سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ آپ کی پیدائش یمن کے قریب دجوار میں ہوئی لیکن نشوونما کا زمانہ غزہ اور عسقلان میں گزرا جہاں یمنی قبائل آباد تھے ، راویوں کا اتفاق ہے کہ امام صاحب کا سنہ ولادت ۱۵۰ھ ہے اسی سال امام ابو حنیفہ کا انتقال ہوا تھا یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ جب ایک امام نے وفات پائی اسی دن دوسرا امام پیدا ہو گیا جو ماہِ رجب کا کوئی مبارک دن تھا ۔ آپ کی پیدائش کے وقت آپکے والد ماجد ادریس بن عباس کا انتقال ہو چکا تھا ۔ اس لیئے جب آپ کی پیدائش کے وقت آپ کے والد ماجد ادریس بن عباس کے انتقال ہو چکا تھا اس لیئے جب آپکی عمر دو سال کی ہوئی تو آپکی والدہ ماجدہ نے یمن کا رخ کیا اور اپنے بھائی کے پاس رہنے لگیں آٹھ سال تک آپ اپنے ماموں کے زیر سایہ پرورش پاتے رہے سات سال کی عمر میں آپ نے قرآن کریم حفظ کر لیا اور آٹھ سال کی عمر میں امام مالک کی مشہور کتاب ، موطا ، ازبر کر لی ۔ جب آپکی عمر دس برس کی ہوئی تو آپکی والدہ نے آپکے چچا کے پاس مکہ مکرمہ بھیج دیا تاکہ شہر میں رہ کر تعلیم تربیت حاصل کر سکیں زمانے کے دستور کے مطابق عرب میں نسب کے متعلق جاننا ضروری سمجھا جاتا تھا اس لیئے آپ کو علم الانساب کی تحصیل کے لیئے بٹھایا گیا آپکو بچپن ہی سے حصول علم کا بڑا شوق تھا اور آپ زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرنا چاہتے تھے ۔ لیکن آپ کے چچا کی مالی حالت زیادہ اچھی نہ تھی اس لیئے تعلیم حاصل کرنے میں دشواریاں پیش آئیں لیکن پھر بھی اس شوق میں

کبھی واقع نہ ہوئی، جب کوئی حدیث یا مسئلہ ہوتا فوراً ہی ہڈی پر لکھ لیتے اور اسے حفظ کر لیتے۔ مکہ مکرمہ میں ان دنوں مشہور محدث و فقیہہ مسلم بن خالد زنگی کا طوطی بول رہا تھا آپ نے شہرت سنی تو ان کے پاس پہنچ گئے حضرت مسلم بن خالد امام حدیث اور مکہ مکرمہ کے بڑے مفتی تھے وہ آپکی یادداشت، حافظہ، فہم و دانش سے بہت متاثر ہوئے اور بڑی اچھی طرح پیش آئے، آپ تین برس تک ان سے حدیث و فقہ کی تعلیم حاصل کرتے رہے ان کی مجلس میں اکثر امام مالک کا تذکرہ ہوا کرتا تھا۔ لہذا حضرت امام شافعی کے دل میں ان کی عظمت کا ایسا اثر ہوا کہ وہ ان سے ملنے کے لیئے بے قرار رہنے لگے لیکن مدینہ منورہ جانا امام شافعی کے لیئے بہت زیادہ دشوار تھا۔ کیونکہ ان کے پاس سفر خرچ نہ تھا، آخر آپ نے کسی طرح سو دینار کا انتظام کیا اور مدینہ منورہ روانہ ہو گئے، حضرت امام مالک نے آپکو خوش آمدید کہا اور آپ ان کے حلقۂ درس میں داخل ہو گئے

آپ نے تیرہ سال ان کی خدمت میں گذارے اس عرصہ میں انہوں نے آپ کو املا، قرأت کرنے کی اجازت دیدی آپ نے حدیث نبوی، علم فقہ اور تابعین کرام کے فتاویٰ کے متعلق تحصیل علم کیا پھر امام مالک نے آپ کی قابلیت اور ذہانت سے متاثر ہو کر فتویٰ دینے کی بھی اجازت مرحمت فرمادی۔ مکہ مکرمہ سے آپ یمن تشریف لے گئے اور قبیلہ ہذیل کے ہمراہ قیام کیا یہ قبیلہ شستگی زبان، فصاحت اور بلاغت میں بے مثل سمجھا جاتا تھا یمن میں آپنے مختلف علوم و فنون سیکھے اور ان میں بڑی مہارت حاصل کی تیراندازی میں تو آپ کو کمال حاصل تھا، عرب قدیم میں سپہ گری سے واقفیت ضروری تھی، ہر شخص فنون جنگ کی تربیت حاصل کرتا تھا خواہ وہ عالم ہی کیوں نہ ہو اس لیئے امام شافعی کے لیئے بھی اس طرف توجہ کرنا لازم تھا، ادب اور فن لغت میں آپکو کامل دستگاہ تھی، آپکی تحریر شستگی فصاحت و بلاغت، زبان دانی اور محاورات و استعارات کا حسین مجموعہ تھی، لغت کے معاملے میں تو کوئی آپ کا مدِ مقابل ہی نہ تھا محاورات و استعارات کے جو معانی و مطالب آپ بیان کرتے وہ آپ کے سوا کوئی نہ کر سکتا تھا، فن تاریخ میں بھی آپکو ید طولیٰ حاصل تھا، آپ نے عرب کی سرزمین میں آنکھ کھولی وہیں پرورش پائی، زمانۂ جاہلیت کی شاعری کا مطالعہ کیا اور سرزمین عرب کی بدلتی ہوئی تاریخ پر عبور حاصل کر لیا علم ہیئت و نجوم میں بھی آپ کو کافی دستگاہ حاصل تھی لیکن بعد میں آپ نے اس علم کو خیرباد کہدیا اور اس کی تمام کتابیں جلادیں، آپ نے طب قدیم کا بھی گہرا مطالعہ کیا تھا آپ کا قول تھا کہ انسان دو چیزوں پر مشتمل ہے ایک جسم اور دوسری جان یا روح علم طب کا تعلق جسم سے ہے اور علم دین کا روح سے، پس علم دو قسم کے ہوتے ایک علم طب دوسرا علم دین۔ امام شافعی کو علم فراست میں بھی کافی دخل تھا اس علم کے ذریعہ ایک شخص دوسرے شخص کے بارے میں ذرا سی دیر میں جان لیتا ہے کہ وہ کس قسم کا آدمی ہے ایک بار امام حمیدی اور آپ مکہ سے باہر جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک شخص ملا، امام حمیدی نے آپ سے دریافت کیا کہ اس شخص کے ذریعۂ معاش کے متعلق آپکا علم فراست کیا کہتا ہے آپ نے جواب دیا کہ یہ شخص بڑھئی ہے یا درزی امام حمیدی نے جب اس سے معلوم کیا تو اس نے بتایا کہ وہ پہلے بڑھئی کا کام کرتا

تھا، اب درزی کا کام کرتا ہے۔ اس طرح ایک اور واقعہ
بتایا جاتا ہے جس سے آپ کے علم فراست کا پتہ لگتا ہے
ایک دفعہ آپ نے دیکھا کہ ایک شخص مسجد میں سوئے ہوئے
آدمیوں میں سے کسی کو تلاش کر رہا ہے آپ نے اپنے ایک
آدمی کے ذریعے اسی سے کہلا بھیجا کہ تمہارا حبشی غلام ہے
تم یہاں ڈھونڈتے پھرتے ہو وہ تو قید خانے میں بند ہے
اس شخص کو یہ سنکر بڑا تعجب ہوا کیونکہ اس کے سوا کسی
اور کو اس کے غلام کے گم ہونے کا کوئی علم نہ تھا اور آپ نے
یہاں تک بتا دیا کہ وہ قید خانے میں بند ہے تحقیق کرنے پر یہ بات
بالکل صحیح نکلی۔ امام شافعی کے طلب علم کا آغاز مکہ سے
ہوا یہاں انہوں نے سربرآوردہ فقہا اور محدثین سے
استفادہ کیا اور ایسی منزلت حاصل کر لی کہ مسلم بن خالد
زنگی نے انہیں فتویٰ دینے کی اجازت دیدی مگر انہوں نے
اس پر اکتفا نہ کی بلکہ تلاشِ علم میں مدینہ منورہ تشریف
لے گئے جہاں امام مالک کی صحبت سے فیض حاصل کیا
حضرت امام مالک نے ان کے لیے ایک بلند مرتبے کی
پیش کش کی اور اپنی کتاب موطا کی قرأت کرنے کی اجازت
مرحمت فرمائی ۱۷۹ھ میں جب امام شافعی جوان ہی تھے
تو امام مالکؒ کا انتقال ہو گیا اس کے بعد انہوں نے
حصول علم کے لئے بلادِ اسلامیہ کا سلسلۂ سفر جاری
رکھا۔ آپ کو بحث مباحثے اور مناظرے میں بھی کامل
دستگاہ تھی، مکہ معظمہ، مدینۃ النبی، یمن، شام، عراق، مصر
اور الجزائر وغیرہ کے سفر میں آپ نے لوگوں کو فقہی مسائل
سمجھائے اور ان سے مناظرے کئے۔ یہ ان ہی کی کوششوں
کا نتیجہ تھا کہ ان ممالک میں آپ کے اجتہادی مسائل

زبان زد خاص و عام ہو گئے، ایک مرتبہ ربیعہ نے آپ سے
فرمایا کہ اگر کسی شخص سے رمضان کا روزہ قضا ہو جائے
تو اُسے اُس کے بدلے میں بارہ روزے رکھنے چاہئیں
کیونکہ رمضان کے مہینے کا ایک دن اور مہینوں کے
بارہ دن کے برابر ہے آپ نے یہ سن کر فرمایا یہ فقہ ہے
یا مذاق ہے اس حساب سے تو اگر شب قدر کی نماز
قضا ہو جائے تو وہ ایک ہزار مہینے تک عبادت کیا
کرے کیونکہ قرآن کریم میں اللہ تعالے فرماتا ہے کہ یہ
شب ہزار مہینوں سے بہتر ہے یہ جواب سنکر حضرت
ربیعہ خاموش ہو گئے قرآن کریم کا سمجھنا دشوار اور
اس کی تفسیر اس سے بھی زیادہ مشکل ہے قرآن کریم
کی تفسیر صحیح وہی کر سکتا ہے جو اسکو اچھی طرح سمجھتا
ہو عربی زبان کی لغت سے بخوبی واقف ہو اور کتاب اللہ
میں محاورات ہیں ان کو سمجھنے کی قابلیت رکھتا ہو،
قرآن کریم میں جو رموز ہیں ان کو سمجھنے کے لیے عقل
و دانش کی ضرورت ہے جو خدا نے ہر ایک کو عطا نہیں
کی، امام شافعی کو تفسیر میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا آپ
نے خود فرمایا ہے کہ قرآن کریم کا ایک کلمہ بھی ایسا نہیں
جس کے معانی و مطالب عرب محاورات کی رو سے
میں نہ جانتا ہوں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ
کے قول کے مطابق امام صاحب سے بڑھ کر قرآن مجید
کا کوئی جاننے والا اور نہ تھا، امام یونس نے امام شافعی
کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا
ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ قرآن کریم کے نزول کے
وقت موجود تھے، امام شافعی نے زندگی کی آخری سانس

تک سنت رسول کریم اور سیرت صحابہ پر عمل کیا اور علوم و فنون کی تحصیل کے ساتھ ساتھ معرفت و سلوک کی منزلیں بھی طے کیں امام صاحب کی زندگی ایک سیدھے سادے سچے مسلمان کی زندگی تھی آپکی نظر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال و اقوال پر تھی اور انہیں اس بات کا پوری طرح علم تھا کہ کس طرح صحابہ کرام رض تابعین تبع تابعین اور ان کے بعد علماء و صوفیائے کرام نے حضور اکرم کی دی ہوئی شمع ہدایت کو روشن رکھا، اطاعت رسول کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ سختی کے ساتھ حضور اکرم کے اعمال و اقوال پر کاربند رہے اور جو کام جس طرح آنحضرت نے کیا اس کو اسی طرح انجام دے آپ محض احادیث بیان کرنے پر اکتفا نہ کرتے بلکہ اپنی نجی زندگی میں بھی اس پر عمل کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک شخص نے آپ سے دریافت کیا کہ یہ جو حدیث آپ نے ابھی بیان فرمائی ہے کیا آپ اس پر بھی عمل بھی کرتے ہیں یہ سنکر امام شافعی کا چہرہ ایک دم غصے سے سُرخ ہو گیا۔ اور آپ نے فرمایا جو بات صحیح حدیث نبوی سے ثابت ہو وہی میرا مذہب ہے امام شافعی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو ایک ہی درجہ میں رکھتے ہیں اس لیے کہ ان کے نزدیک علم شریعت ان دونوں کا حاصل ہے اس امر کی وضاحت کرتے ہوئے آپ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کتاب و سنت دونوں خدا کی طرف سے ہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے اور جو کچھ کہتے ہیں وہ وحی خدا ہوتی ہے لہذا ثابت ہوا کہ کتاب اور سنت دونوں من جانب اللہ ہیں، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے اسباب اور طریقے جدا جدا ہیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ صحابہ کرام کا مسلک وہی تھا جو امام شافعی کا رسول کریم کے بعد جب کسی مسئلہ پر اختلافات پڑھ جاتے تو صحابہ کا معمول تھا کہ سب سے پہلے وہ قرآن پاک کی طرف متوجہ ہوتے اگر اس میں کوئی حکم مل گیا تو اسی کے مطابق فیصلہ کر دیتے لیکن اگر قرآن شریف میں کوئی واضح حکم نہ ملتا تو پھر رسول اللہ کے اقوال تلاش کرتے تھے۔ حضرت امام شافعی نے صحت حدیث کے لحاظ سے حدیث نبوی کی ترتیب و تدوین کی اس ضمن میں ایسا سخت معیار قائم کیا کہ مصدقہ اور غیر مصدقہ احادیث ایک دوسرے سے جدا نظر آنے لگیں امام صاحب کے قول کے مطابق حدیث نبوی پر عمل کرنا لازمی ہے ان کے نزدیک حدیث نبوی پر عمل کرنے سے انکار قرآن احکام پر عمل نہ کرنے کے مترادف ہے امام حسین کرابیسی نے امام شافعی کے متعلق فرمایا ہم نے یہ نہ جانتے تھے کہ قرآن کریم اور حدیث نبوی کو کس طرح سمجھا جائے ہم نے قرآن و حدیث کو سمجھنے کا طریقہ امام صاحب سے سیکھا ہے امام شافعی حدیث نبوی کا کتنا احترام کرتے تھے اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ نے فرمایا کسی آدمی کے کہنے سے حدیث نبوی کو ترک نہ کرنا اور اگر میرا کوئی عمل احادیث نبوی کے خلاف ہو تو میرے قول کو ترک کر دینا اور حدیث نبوی پر ضرور عمل کرنا، صحیح احادیث معلوم کرنے کے لیئے امام شافعی نے دور دراز مقامات کے سفر کیے مصائب برداشت کیے اور مختلف مقامات پر

قیام کیا، مختصر یہ کہ امام شافعی طالب حق تھے اور جب تک اپنی رائے کو حق و صداقت کی کسوٹی پر پرکھ نہ لیتے ہرگز مطمئن نہ ہوتے تھے، اس لحاظ سے امام شافعی کو ایک اعلیٰ پایہ کا محقق اور جید عالم قرار دیا جاتا ہے،

امام صاحب نے مختلف استادوں سے علم حاصل کیا ان کی تعداد ۹ بتائی جاتی ہے، جن میں ۵ مکی ۶ مدنی، چار یمنی اور چار عراقی تھے۔
جن کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

سفیان بن عیینہ۔ مسلم خالد بن زنگی
سعید بن سالم القداح، داؤد بن عبدالرحمان العطار
عبدالحمید بن عبدالعزیز بن ابی زوار۔
مالک بن انس، ابراہیم ابن سعد الانصاری
عبدالعزیز بن محمد الداوردی۔ ابراہیم بن ابی یحییٰ
الاسامی۔ محمد بن سعید ابی فریک۔ عبداللہ بن نافع الانصاری، مطرف بن مازن، ہشام بن یوسف قاضی صنعاء، محمد بن ابی سلمہ، یحییٰ ابن مسعود وطیع بن الجراح، ابو اسامہ حماد بن اسامہ، اسماعیل بن علیہ، عبدالوہاب بن عبدالمجید۔ آپ کی تصنیف کافی ہیں جن میں سے چند کے نام یہ ہیں۔
کتاب الام، اختلاف الحدیث، احکام القرآن، رسالہ قدیم، رسالہ جدید، جماع العلم، ابطال الاستحسان، بیان الفرض۔ منفعت الاسرار و البغی۔
اختلاف مالک و شافعی۔ اختلاف عراقین، اختلاف محمد بن الحسن، کتاب علی وعبداللہ۔ فضائل قریش، کتاب السنن کتاب المبسوط، رسالہ اصول، رسالہ بغدادی، آپ کے

شاگردوں کی تعداد بڑی ہے، زیادہ مشہور یہ ہیں امام حمیدی۔ سلیمان بن داؤد، حرملہ بن یحییٰ حسن بن محمد، اسماعیل بن یحییٰ مزنی، امام بیہقی، ابو اسحاق ابراہیم بن محمد۔ ابوبکر محمد بن ادریس، ابوالولید موسیٰ ابو علی الحسن الصباح۔ ابو علی الحسین بن علی۔
ابو الفراز الکلبی، ابو عبدالرحمٰن احمد بن محمد، امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، ابو یعقوب بن یحییٰ، محمد بن عبداللہ۔

ان شاگردوں میں ایک گروہ تو وہ ہے جس نے مکہ میں فیض حاصل کیا دوسرے نے بغداد میں اور تیسرے نے مصر میں زانوئے تلمذ تہہ کیا، امام شافعی ان چند لوگوں میں تھے جن میں خود پسندی تھی اور نہ برتری کا جذبہ، مناظرے کے موقع پر وہ کبھی غصہ کرتے تھے اپنی گفتگو سے کسی کی دل شکنی کرتے تھے وہ کہا کرتے تھے میں چاہتا ہوں کہ لوگ علم حاصل کریں مجھے نہ مدح کی پروا نہ کسی اور طرح کی آرزو، آپ ہمیشہ سخاوت کی تعلیم دیا کرتے امام صاحب بڑے متواضع تھے امام شافعی کے معتقدین دور دور تک پھیل گئے تھے، عراق، مکہ شریف، مصر، نیشاپور، خراسان، شام اور یمن میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ امام صاحب کے تین لڑکے اور دو لڑکیاں تھیں دو لڑکوں کا بچپن میں ہی انتقال ہو گیا تھا تیسرے صاحبزادے جو زندہ رہے وہ ابو عثمان تھے لڑکیوں کا نام فاطمہ و زینب تھا امام شافعی کے سر پر کسی شخص نے گرز مار دیا تھا آپ کا سر پھٹ گیا اور بہت سا خون ضائع ہو گیا چنانچہ یکم رجب ۲۰۴ھ بعد از نماز عشاء آپ کا انتقال ہو گیا آپکو قرافۃ الصغریٰ میں دفنایا گیا جو قاہرہ سے باہر واقع ہے آپ کا مزار شریف مرجع خاص و عام بنا ہوا ہے اور متصل ہی آپ کے نام سے ایک مدرسہ بھی جاری ہے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

شرحِ احوال و آثار

مفتی غلام سرورؔ لاہوری

ڈاکٹر محمد اختر چیمہ

حضرت علامہ الحاج حکیم مفتی غلام سرور قریشی اسدی الہاشمی سہروردی چشتی لاہوری آسمان آدب اُردو و فارسی اور تصوف و عرفان اسلامی کے ایک درخشندہ و تابندہ ستارے ہوئے ہیں کہ جن کا سلسلۂ نسب سترہ واسطوں سے شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی سہروردی سے جا ملتا ہے۔ مفتی غلام سرور کے خانوادۂ عالی کے سارے بزرگ اپنے زمانہ کے اصحاب باکمال اور اور افرادِ لازوال تھے۔ آپ عالم و عارف مفتی غلام محمد کے فرزند ارجمند تھے۔ کوٹلی مفتیاں میں ۱۲۴۴ھ/۱۸۳۷ء کو پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی۔ طب بھی انہی سے پڑھی۔ سلسلۂ سہروردیہ میں انہی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ بعد ازاں حضرت مولانا غلام اللہ فاضل لاہوری کے حلقۂ درس میں شامل ہو کر علومِ تفسیر و حدیث، فقہ و ادب، صرف و نحو، منطق و معانی، اصول و فروع اور تاریخ و لغت کی تکمیل کی اور اپنے عہد کے عالمِ نبیل، فاضل جلیل۔ ادیب بے مثال، شاعر بلند پایہ، تاریخ گوئے بے نظیر، مؤرخ مستند، سوانح نگار شہرہ آفاق، ماہر علم لغت اور معلم اخلاق ہوئے۔ برصغیر پاکستان و ہند میں ایسے طباع، عالی دماغ، جامع علوم و فنون حامل کمالات صوری و معنوی شاذ و نادر ہی دیکھنے میں آتے ہیں۔ آپ نے اپنی بیش بہا اور گرانمایہ تصانیف کی بدولت علم و ادب کے ہر شعبہ کو مطالب و معانی اور حقائق و معارف کے گل ہائے رنگا رنگ سے معمور کر دیا۔

مفتی غلام سرور نے زندگی کا اوائل حصہ ملازمت میں گذارا پہلے کچھ عرصہ سردار بھگوان سنگھ رئیس لاہور و جاگیردار فتح گڑھ، چونیاں کی جائیداد کے نگران و مہتمم رہے۔ پھر رائے بہادر کنھیا لال ایگزیکٹو انجینئر لاہور ڈویژن نے جو آپ کا شاگرد رشید تھا اپنے محکمہ میں ایک معقول مشاہرہ پر ملازمت دلا دی تھی لیکن آپ نے تھوڑے عرصہ میں یہ ملازمت بھی ترک کر دی دراصل آپ ایسی طبیعت کے مالک تھے۔ جو تصنیف و تالیف اور شعر و ادب کے لیے مناسب و موزوں تھی۔ چنانچہ آپ نے اسی فن میں شہرت و ناموری حاصل کی اور اسی شغل میں عمر عزیز صرف کر دی۔ علوم شریعت و طریقت، تفسیر و حدیث

سلسلۂ نسب و شجرہ خاندان کی ترتیب یوں ہے:۔ مفتی غلام سرور بن مفتی غلام محمد بن مفتی رحیم اللہ بن مفتی رحمت اللہ بن مفتی حافظ محمد تقی بن مولانا کمال الدین خرد بن مفتی عبدالسمیع۔ بن مولانا عتیق اللہ بن مولانا برھان الدین بن مفتی محمد محمود بن شیخ الاسلام عبدالسلام بن شیخ عنایت اللہ بن مولانا کمال الدین بن شیخ مخدوم شہور بہ میاں کلاں بن شیخ قطب الدین بن شیخ شہاب الدین انور بن شیخ الاسلام و المسلمین بہاء الدین زکریا ملتانی سہروردی قدس اسرارہم۔

فقہ واصول اور تاریخ وادب کا کوئی بھی مسئلہ ہو اس پر بے تکلف گفتگو فرمایا کرتے تھے اور ساتھ ساتھ مسئلہ کے اسرار رموز معہ تمام جزئیات کے اس طرح خوش اسلوبی سے بیان کرتے تھے کہ دقیق سے دقیق مسئلہ و پیرایہ بھی نہایت واضح و روشن ہو جاتا تھا، بات بات پر تاریخ کہتے تھے حلقۂ احباب وسیع تھا چھوٹے بڑے آپ کو سر آنکھوں پر بٹھاتے تھے اہل کی مجلس ومحفل میں ممتاز مقام پاتے اور اہل ذوق آپ کی مصاحبت ومجالست کو غنیمت تصور کرتے تھے۔

بایں ہمہ طبع عالی میں حد درجہ کا استغنا تھا، حکام وقت سے ملنا ناپسند و ناگوار گزرتا تھا، تمام عمر اسی مسلک پر قائم رہے، پنڈت بیج ناتھ، فقیر شمس الدین اور ڈاکٹر لائٹنر رجسٹرار پنجاب یونیورسٹی لاہور نے کئی بار سعی وکوشش کی کہ آپ حکام بالا کے ساتھ راہ و رسم رکھنے میں گریز نہ کریں۔ چونکہ آپ جیسے فاضل مصنف کی حکومت کو بیحد ضرورت تھی اور حکومت آپ سے مختلف علوم میں متعدد کتابیں لکھوانے کی خواہشمند تھی اس ضمن میں مولانا محمد حسین آزاد اور مولانا الطاف حسین حالی کی مثالیں پیش کی گئیں مگر آپ نے فرمایا "نہ تو مجھے خطاب وجاگیر کی ضرورت ہے اور نہ اپنی تصانیف کو حکومت کے زیر اثر لکھنا چاہتا ہوں ان لوگوں کی تصنیف وتالیف کا مقصد کچھ اور ہے اور میرا راستہ ان سے الگ ہے" حتیٰ کہ ڈاکٹر لائٹنر کے اصرار کے باوجود پنجاب یونیورسٹی کا اعزازی فیلو بھی بننا منظور نہ کیا، اور نہ ہی کرنل ہالرائڈ ڈائریکٹر سررشتہ تعلیم پنجاب، اس نئی ادبی تحریک میں شامل ہوئے جو انگریزوں کے ایماء پر اور امداد سے ۱۸۷۴ء میں سیاسی مقاصد کے استحکام کے لیے شروع ہوئی تھی، اس تحریک کے روح رواں مولانا محمد حسین آزاد اور مولانا حالی تھے، حقیقت یہ ہے کہ اس حقیقت یہ ہے کہ اس وقت جو تعلیمی نظام رائج کیا جا رہا تھا وہ کسی حیثیت سے بھی مسلمانوں کے قومی مزاج کے موافق نہ تھا۔ انگریز مسلمانوں کے سیاسی زوال کے ساتھ ساتھ ان کا دینی، تہذیبی، معاشرتی اور علمی زوال وانحطاط بھی چاہتے تھے کیونکہ اس کے بغیر وہ کامیابی کے ساتھ حکومت نہیں کر سکتے تھے اور یہ مقصد اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا تھا کہ جب تک اسلامی تعلیم اور اسلامی مدارس کو بتدریج ختم کر کے اس کی جگہ انگریزی تعلیم، تمدن اور معاشرت کو اس طرح رائج نہ کیا جائے جو ذہنوں کو بالکل مسخ کر دے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی اکثریت اپنے دینی، تہذیبی، علمی اور ادبی تفوق کو یکسر فراموش کر گئی۔

اکتساب علوم وفنون کی افادیت اپنی جگہ مسلّم، نہ اس سے کوئی منکر اور نہ اس سے کسی زمانہ میں مفر، اس لئے کہ معاشرہ جامد وساکن نہیں ہو سکتا، علوم وفنون کی ترقی کے ساتھ مسائل حیات بھی تبدیل ہوتے رہتے ہیں مگر اس حقیقت کو بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا کہ لسانی اور معاشرتی تقلید سے احساس برتری کو ضرور نقصان پہنچتا ہے ابتداء میں علماء ہند نے جو انگریزی کی مخالفت کی تھی اس میں دراصل یہی جذبہ کارفرما تھا، نہ اکتساب علوم جدیدہ کی مخالفت تھی اور نہ انگریزی زبان پڑھنے کی بلکہ اس تمدن ومعاشرت کی مخالفت تھی جو انگریزی ذریعہ تعلیم سے پھیلائی جا رہی تھی، چنانچہ اس وقت مدارس کے لیے جو علمی وادبی کتابیں انگریزوں نے ترجمہ کرائیں یا تصنیف ہوئیں ان کی تعلیم اس قسم کی تھی کہ اپنا سب کچھ بھول جاؤ، اپنی تاریخ کو فراموش کردو اور انگریزی ادب کے سامنے اسے مہمل، غیر فطری اور بے معنی سمجھو، مسلمان حکمران ظالم

میں سے کوئی معروف خاندان ایسا نہیں چھوڑا جس کا ذکر نہیں کیا۔ تمام خاندانوں کے حالات و واقعات مستند عربی و فارسی تواریخ سے اخذ کر کے نہایت ایجاز و اختصار کے ساتھ بیان کئے ہیں اسے تاریخی ناموس کہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ مولف نے آخر میں ان مسلم ریاستوں کا ذکر کیا ہے جو سلطنت مغلیہ کے ضعف و زوال کے بعد برصغیر کے بعد برصغیر پاکستان و ہند میں قائم ہوئیں

تیسرا حصہ۔ انگریز سلاطین کے حالات میں ہے، ابتدائے سلطنت سے لے کر ملکہ وکٹوریہ تک کے احوال اختصار کے ساتھ مندرج و مذکور ہیں۔

یہ تاریخ پہلی بار ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۵ء میں لاہور سے شائع ہوئی۔ دوسری بار مطبع نولکشور لکھنو سے اضافہ و تصحیح کے ساتھ ۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء میں طبع ہوئی۔

۱۳۔ تاریخ مخزن پنجاب: ۔صوبہ پنجاب کے تاریخ و جغرافیہ پر مبسوط کتاب ہے، اس میں پنجاب کے مشہور شہروں، قصبوں، دریاؤں، پہاڑوں نیز مسلمانوں اور ہندوؤں کے معروف تاریخی مقامات اور مختلف فرقوں کے حالات درج ہیں۔ ساتھ ہی تاریخ کشمیر، لداخ و کشتواڑ بھی شامل ہے۔ یہ تاریخ لکھنے کی تحریک حکومت پنجاب کی طرف سے ہوئی تھی، ڈپٹی کمشنر لاہور نے دیوان بیج ناتھ اور فقیر شمس الدین کی وساطت سے اس نوعیت کی تاریخ لکھنے کا آپ سے تقاضا کیا تھا ان حضرات نے بہزار مشکل آپ کو آمادہ کیا مگر اتفاق ایسا ہوا کہ آپ بعارضہ تپ اور آشوب چشم میں مبتلا ہوگئے آپ کو صحت یاب ہونے میں تین چار ماہ لگ گئے، حکومت کو اس کتاب کی تالیف میں جلدی تھی اس لئے یہ کام قاضی تاج الدین ۔۔ جو قاضیان لاہور میں سے تھے ۔۔ کے سپرد ہوا۔ انہوں نے نہایت عجلت کے ساتھ نامکمل سی تاریخ لکھ کر پیش کر دی جو نہ حکومت کو پسند آئی اور نہ ہی مقبول عام ہوئی، آپ نے صحت یابی کے بعد بطور خود ایک سال کی تحقیق و تدقیق سے حالات فراہم کر کے اسے مکمل کیا۔ چنانچہ مذکورہ کتاب کے دیباچہ میں لکھتے ہیں۔ بندۂ احقر غلام سرور خلف مفتی الشرع الامجد مولانا مفتی غلام محمد قریشی اسدی الہاشمی سہروردی لاہوری بخدمت صاحبان علم و ہنر بیان کرتا ہے کہ جب راقم کتاب گلدستۂ کرامت، خزینۃ الاصفیاء اور گنج تاریخ کی تالیف و تصنیف سے فراغت پا چکا، نا رسخ نہ بیٹھ سکا اور ارادہ کیا کہ ایک اور کتاب ملک پنجاب کے احوال میں بزبان اردو لکھی جائے اس شوق میں ایک سال کامل تلاش کتب در پیش رہی اور بہت سعی و کوشش کے بعد جس قدر احوال بذریعہ کتب فارسی و انگریزی حاصل ہوئے، زیب اندراج کر دیئے اور "مخزن پنجاب" نام رکھا کتاب کو پانچ حصوں اور چھبیس تقسیموں میں منقسم کیا۔

پہلا حصہ ستلج پار کے میدانی علاقہ کے حال میں فی زمانہ حکومت پنجاب سے متعلق ہے۔

دوسرا حصہ دریائے ستلج کے داہنے کنارے سے لے کر پنجاب کے میدانی علاقوں اور مغربی پہاڑوں پر مشتمل ہے۔

تیسرا حصہ: پنجاب کے شمالی پہاڑوں اور علاقوں کے احوال میں ہے

چوتھا حصہ: پنجاب کے حکماء و فاتحین کے ذکر میں سلاطین غزنوی سے لے کر چغتائی و درانی سلطنت کے آخر تک ہے

پانچواں حصہ: پنجاب کے میدانی اور کوہستانی علاقوں میں مسلمانوں اور ہندوؤں کی عبادت گاہوں مزارات ومقابر کے ذکر پر مشتمل ہے، نیز مسلمان اور ہندو اقوام کا بیان اور اُن کے مذاہب وعقائد کی تفصیل بھی اس میں درج ہے۔

کتاب ۱۲۸۵ھ میں تحریر کی گئی اور مطبع نولکشور سے کئی مرتبہ زیور طباعت سے آراستہ ہوئی۔

"عجب شے ہے مخزن حالات پنجاب" اس کا مادہ تاریخ ہے۔

۱۴۔ جامع اللغات: مفتی غلام سرور کی آخری اور نہایت ہی گرانقدر کتاب ہے یہ مستند لغات منشی نولکشور مالک مطبع نول کشور لکھنؤ کے ایما پر تالیف وتدوین کی گئی۔ یہ اپنی طرز کی کل لغات وفرہنگ ہے فن لغت میں اپنی ندرت وجامعیت اور طرز بیان کے لحاظ سے ایک خاص درجہ رکھتی ہے ۱۸۹۰ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ فاضل مؤلف لغات کے آغاز میں سبب تالیف ونفس مضمون کی توضیح بیان فرماتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں۔

خوشہ چین خرمن ارباب فضل وہنر غلام سرور خلف مفتی الشرع الامجد مولانا مفتی غلام محمد قریشی اسدی الہاشمی کی یہ گزارش ہے کہ کمترین نے علاوہ اپنی اور تصانیف وتوالیف نظم ونثر اردو وفارسی کے پہلے بھی زبدۃ اللغات المعروف بہ لغات سروری لغت کے علم میں لکھی تھی جو اب تک دو بار چھپ کر ہدیۂ نظر اہل بصیرت ہو چکی ہے، ایک پھر میرے محب قدیم، عنایت فرما، کرم گستر، قدرداں علم وہنر منشی نولکشور مالک مطبع اودھ اخبار لکھنؤ خاص طور پر میرے مکلف حال ہوئے کہ ایک اور کتاب بسیط جامع اللغات عربی وفارسی وترکی والفاظ ومحاورات پر مشتمل سلیس اردو زبان میں لکھی جائے اور لغات ومحاورات کتب معتبرہ متقدمین ومتاخرین سے لیے جائیں پس تعمیل ارشاد اپنے مربی کے لیے کمر ہمت باندھی الحمد اللہ کہ دن رات کی محنت، صبح وشام کی عرق ریزی اور ساعت کی جاں فشانی سے یہ کام انجام پہنچا۔ "جامع اللغات" نام رکھا گیا اور تیس ابواب پر تقسیم ہوئی۔ ہر ایک باب میں پانچ پانچ فصلیں ہیں، اگرچہ اس کتاب کے ہر باب کی تقسیم ردیف وار پہلے حرف پر ہوتی ہے مگر ہر ایک فصل میں آخری حرف کی رعایت کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے، جیسا کہ غیاث اللغات نے دونوں ردیف اولین وآخرین سے زینت بخشی، وہی طریقہ اس جامع نسخہ میں ملحوظ رہا۔

یہ بات پوشیدہ نہ رہے کہ فرہنگ آصفیہ مولوی سید احمد دہلوی، امیر اللغات امیر مینائی لکھنوی، نور اللغات مولوی نور الحسن کاکوروی، نفائس اللغات مولوی اوحد الدین بلگرامی اگرچہ اسی صدی کی تصانیف ہیں جو شبہ قارہ پاکستان وہند میں یکے بعد دیگرے اسی زمانہ میں شائع ہوئیں مگر پنجاب میں اس سے پیشتر کوئی ایسی مستند اور جامع لغت تحریر نہیں کی گئی تھی مولوی کریم الدین نے ایک مختصر سی لغت کریم اللغات کے نام سے تحریر کی تھی جس کو اس جامع اللغات کے ساتھ کوئی نسبت نہیں اسی کمی کو مفتی غلام سرور نے پورا کیا اس کے بعد پنجاب میں جتنے فرہنگ ولغات لکھے گئے مثلاً فیروز اللغات وغیرہ یہ سب بتغیر ہیئت واسلوب بیان وتحقیق لغت جامع اللغات ہی کے خوشہ چین ہیں

۱۵۔ حدیقۃ الاولیاء: اردو نثر میں تالیف کی گئی ہے اس میں صرف انہی اولیائے کرام کا ذکر ہے جو پنجاب میں ہوئے ہیں مفتی غلام سرور نے زیر عنوان "در اظہار باعث تالیف کتاب حدیقۃ الاولیاء"

یوں لکھا ہے: "اس کتاب کی تالیف سے پہلے یہی احقر المحقر غلام سرور اولیاء کرام اور پیران عظام کے حال میں ایک کتاب "خزینۃ الاصفیاء" بزبان فارسی تالیف کر چکا ہے،

چودہ سو تیرہ لاہور اور لکھنؤ میں چھپ کر تحفۂ نظر ارباب شوق ہو چکی ہے اس میں ہر ایک سلسلہ اور خاندان کا ذکر ابتداء سے اس زمانے تک ہے اب میرے واثق محبان قدیم و صادق دوستان صمیم میں سے امام الدین حکیم مدح خوان رسول کریم ؐ میرے متکلف حال ہوئے کہ ایک اور مجموعہ مختصر اردو زبان میں لکھا جائے جس میں ملک پنجاب کے اولیاء کا حال ہو۔ یعنی دہلی سے پشاور تک جس قدر علاقہ اس وقت پنجاب کے ساتھ متعلق ہے اور مشہور اولیائے عظام اس میں ہیں سب کا حال ضروری ضروری اس میں تحریر ہو۔ پس ایک دوست کی تشویق نے اور دلی محبت نے جو قدیم سے مجھ کو اولیاء اللہ کے ساتھ ہے اس کتاب کے لکھنے کا ارادہ کیا۔ اب خداوند تعالیٰ سے امید چاہتا ہوں کہ یہ کام بخیر و خوبی انجام پائے اور بعد میرے یہ کتاب دنیائے فانی میں یادگار رہ جائے آمین۔ اس کتاب کا نام حدیقۃ الاولیاء رکھا گیا اور سات چمنوں میں تقسیم ہوئی۔

پہلا چمن: مشائخ قادریہ کے احوال
دوسرا چمن: مشائخ چشتیہ کے احوال
تیسرا چمن: مشائخ نقشبندیہ کے احوال
چوتھا چمن: مشائخ سہروردیہ کے احوال
پانچواں چمن: مشائخ متفرقات کے ذکر میں
چھٹا چمن: مجاذیب رحمانیہ کے ذکر میں
ساتواں چمن: عورات صالحات کے ذکر میں

پھر خاتمہ تالیف کتاب منجانب مولف اس طریقہ سے ہوا ہے "الحمد للہ والمنۃ کہ یہ کتاب حدیقہ بے خار و گلزار تازہ بہار بفضل کردگار یعنی تذکرہ ابرار فی اخبار حضرات الاخیار عین موسم کے وقت پھل پھول لایا۔ مولف نے اپنا دلی مطلب پایا تمام شکر و تسلیم ہے کہ خداوند کریم نے مجھ عاصی و روسیاہ گنہگار کو اپنے دوستوں کا مشتاق بنایا ہے۔ محبت کا راستہ دکھایا ہے اور یہ توفیق دی ہے کہ میں کسی قدر اپنے وقت عزیز کو حضرات اولیائے کے ذکر میں صرف کروں۔ اور ان کی الفت سے بہرہ پاؤں۔"

اگرچہ میں ناکارہ کیا اور یہ کار کیا، مگر یہ شوق مجھ کو صرف حضرت غوث الثقلین، محبوب سبحانی قطب ربانی سید سلطان محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمہم اللہ کی محبت میں پیدا ہوا۔ اور یہ محض حضرت محبوب سبحانی ؓ کی توجہ کا اثر ہے کہ مجھ بے کار آدمی سے ایسے ایسے کار سرزد ہونے لگے بلکہ ایک عاجز و ناتوان کو یہ قوت بخشی گئی کہ پہلے اس سے کتاب "خزینۃ الاصفیاء" تمام بزرگوں کے حال میں لکھی مگر وہ کتاب فارسی میں تھی وہ بہت بڑی تھی۔ شائقین ملک پنجاب کا یہ مطلب حاصل نہیں ہوتا تھا کہ کتنے بزرگ پنجاب کے ملک میں صاحب طریقت گذرے ہیں۔ اب اس مختصر اردو زبان کی کتاب کے بننے سے وہ وقت رفع ہوگئی۔ خداوند تعالیٰ مجھ کو اور تمام مسلمانوں کو اولیاء اللہ کی محبت کا شائق کرے اور خدا کرے کہ اس زمانہ میں کوئی ایسا ہادی برطریقت مل جائے کہ اس کی راہنمائی سے میرے جیسے گمراہ راہ پر آئیں خدا کی محبت کا راستہ پائیں کیونکہ اب یہ لوگ عنقا ہو گئے ہیں اور محبت کا حرف لوگوں کے لوح سینہ سے صاف ہو گیا ہے باطنی تو کجا ظاہری محبت کا بھی نام و نشان نہیں رہا۔ جو مسلمان پہلے اپنی زبان سے عشق کا دعویٰ کرتے ہیں وہ ذرا سے اپنے فائدے کے لئے دوستوں سے ایسے رو گرداں ہوتے ہیں کہ منہ دکھانا اور دیکھنا نہیں چاہتے حضرات اہل محبت عرفان کی محبت ایسے نازک ساں وقت میں جس کو خداوند تعالیٰ نصیب کرے غنیمت ہے گو ایسا ہر کوئی صاحب محبت نہیں ملتا مگر باطنی نسبت ان خدا دوستوں کے ساتھ جو اس نازک ساں وقت سے پہلے گزر چکے ہیں رکھنی ایک ضروری امر ہے اور یہ ہماری ذریعہ گنہگاروں کی بخشش کا خدا کے حضور میں ہوگا۔

آخر میں مؤلف نے کتاب کی تاریخ تکمیل کے سلسلہ میں پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ لاہور، لکھنؤ، کانپور اور دہلی سے آٹھ مرتبہ چھپی ہے

۱۶۔ خزینۃ الاصفیاء: یہ خزینۃ[۸] الاصفیاء[۱۲] کتاب کا تاریخی نام ہے[1]۔ مؤلف نے نہایت فصیح و بلیغ اور رواں و شستہ فارسی نثر میں اسے تحریر کیا ہے۔ اس کتاب میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین ۱۲ ور ر متقدمین و متوسطین و متاخرین صوفیا، اولیاء علماء و شعراء کے حالات نہایت تحقیق و تدقیق کے ساتھ درج کئے گئے ہیں۔ ماخذ و مدارک کا ذکر بھی ہمراہ ہے جو مصنف کے وسیع مطالعہ کی دلیل ہے۔ اس سے پہلے کوئی ایسا جامع تذکرہ نہ تھا جس میں ان بزرگوں کے مفصل حالات ملتے۔ یہ عظیم تذکرہ ۱۰۰۰ بزرگوں کے سوانح حیات و حالات پر مشتمل دو جلدوں میں ترتیب دیا گیا ہے۔ ہر ایک بزرگ و صوفی کی تاریخ ولادت و وفات نظم میں قلمبند کی گئی ہے۔ اس کی تصنیف و تالیف کا سلسلہ ۱۲۸۰ھ میں شروع ہوا اور ۱۲۸۱ھ میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

تذکرہ کو سات مخزنوں میں مدون و مرتب کیا گیا ہے۔ کتاب کے آغاز و اختتام پر اس کی تصنیف و تالیف کے اسباب و مقاصد کی توضیح و تشریح بیان کی گئی ہے۔ مفتی غلام سرور نے ایک ایسے دور میں اس شاندار و گرانقدر علمی و تاریخی کارنامے کو انجام دینے کی بنا پر بیش بہا خراج تحسین حاصل کیا کہ جب سکھ گردی نے مسلمانوں کے کتب خانوں اور ذاتی لائبریریوں کو تباہ و برباد کر دیا تھا۔ علمی و عرفانی و ادبی خزینے ایک ایک کر کے نذر آتش کر دیئے گئے تھے۔ علمی محفلیں، دینی درسگاہیں اور روحانی خانقاہیں سب ویران ہو چکی تھیں۔ اہل علم و دانش اپنی جان کی سلامتی کے لیے اپنے علم و دانش کو چھپاتے پھرتے تھے۔ ایسے حالات و واقعات کے باوجود مفتی غلام سرور نے سینکڑوں ماخذ جمع کیے اور خزینۃ الاصفیا کو ضبط تحریر میں لائے۔ آپ کی شبانہ روز تلاش و کوشش اپنے گوہر ریز قلم کو تیشۂ فرہاد بنا کر حالات کے کوہ گراں کو چیرتی گئی اور اسے زیور طبع سے آراستہ کرنے میں کامیاب و کامران ہو گئی۔

خزینۃ الاصفیا کا پہلا ایڈیشن لاہور میں چھپا۔ پھر نولکشور لکھنؤ سے کئی ایک ایڈیشن آپ کی زندگی ہی میں شائع ہوئے۔ تاہم آج کل کمیاب و نایاب ہے

۱۷۔ گلدستہ کرامات:- یہ کتاب غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی کے مناقب و مقامات و کرامات کے بارے میں تحریر کی گئی ہے۔ اس میں کل اکانوے مناقب ہیں چونکہ غوث اعظم کی عمر بھی اکانوے سال تھی، اس حساب سے فی سال ایک کرامت بیان کی ہے۔ جیسا کہ مصنف نے دیباچہ میں مرقوم فرمایا ہے ہر باب کے خاتمہ پر ایک غزل منقبت میں لکھی ہے۔ اس طرح کتاب میں نثر کے ساتھ ساتھ نظم کی بھی آمیزش ہو گئی ہے۔ ۱۲۷۷ھ میں اردو

[1] خزینۃ الاصفیاء کے حروف کے اعداد ۱۲۸۰ بنتے ہیں اور ۱۲۸۰ھ میں ہی اس کی تحریر کا آغاز ہوا۔

زبان میں تالیف ہوئی دہلی سے دو بار مطبع نولکشور لکھنؤ سے چار بار اور لاہور سے سات بار اس کی اشاعت ہوئی۔

۱۸۔ گلدستہ کرامات:۔ یہ مناقب غوثیہ تالیف شیخ محمد صادق شیبانی کی فارسی کتاب کا عام فہم اردو ترجمہ ہے۔ اس کی تکمیل بھی ۱۲۷۷ھ میں ہوئی اور آج کل نایاب و کمیاب کتابوں میں سے ہے

۱۹۔ گنجینہ سروری معروف بہ گنج تاریخ۔ گنج تاریخ[۱۲۹۲] کتاب کا تاریخی نام ہے اس میں حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے لے کر خلفائے راشدین خلفائے بنو امیہ، خلفائے بنو عباس، دیگر سلاطین اسلام اور مشاہیر صوفیاء، علماء و شعراء کی ولادت و وفات کی تاریخیں لکھی ہیں اور حاشیہ پر ان شخصیتوں کے تعارف کے لیے مختصر حالات تحریر ہیں جس سے کتاب کی اہمیت و افادیت اور بڑھ گئی ہے۔ اس کتاب میں کم از کم دس ہزار مادہ ہائے تاریخ مذکور ہیں۔ تاریخ گوئی ایک مشکل فن ہے اور خاص خاص قادر الکلام شعراء ہی اس میں اپنا کمال دکھاتے ہیں۔ اب تک مومن اور ناسخ ہی اس فن میں باکمال سمجھے جاتے تھے مگر مفتی غلام سرور کی خزینۃ الاصفیا اور گنج تاریخ کے مطالعہ کے بعد ان اساتذہ کا کمال اس فن میں بے حقیقت نظر آتا ہے۔ اکثر بیشتر مادہ ہائے تاریخ حسب حال بزرگان ہیں اور یاد رکھنے کے قابل ہیں۔ پورا مادہ تاریخ ایک لفظ یا دو لفظوں یا یا نصف مصرع یا پورے مصرع سے حاصل ہوتا ہے

ساری کتاب نثر و نظم فارسی میں تالیف کی گئی ہے آغاز کتاب میں مؤلف نے نہایت پُرسوز اور فصیح و بلیغ انداز میں حمد خدا تعالیٰ، نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور منقبت صحابہ کرامؓ تحریر کی ہے اس کے بعد تشریح و تقسیم کتاب کی وضاحت کی ہے کتاب کو آٹھ الابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۲۰۔ لغات سروری معروف بہ زبدۃ اللغات زبدۃ اللغات[۱۸۷۵]، تاریخی نام ہے، عربی، فارسی، ترکی اور یونانی الفاظ پر مشتمل لغت و فرہنگ کی کتاب ہے معانی اردو میں درج کیے گئے ہیں پانچ سال کی محنت شاقہ کے بعد پایۂ تکمیل کو پہنچی، یہ لغت شعراء کے لیے قوافی کا بیش بہا خزانہ ہے، ہر ایک لفظ لغت میں آخری ردیف کا لحاظ رکھا گیا ہے تاکہ قوافی کی ترتیب قائم رہے، مؤلف دیباچہ لغت میں سبب تالیف کا ذکر کرتے ہوئے یوں مرقوم فرماتے ہیں۔

"بعد حمد و ثنائے رب العالمین و نعت سید المرسلین خاتم النبیین، احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم و مدح خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین احقر غلام سرور خلف مفتی مولانا غلام محمد ارباب دانش و بینش و اصحاب اہل بصیرت کی خدمت میں یہ عرض کرتا ہے کہ اس سے پہلے میں نے چند کتابیں

مثلاً گلدستۂ کرامات، بہارستان تاریخ، حدیقۃ الاولیائ
دیوان سروری، نعت سروری، گلشن سروری اور تحفۂ سروری
لکھی ہیں جو بار بار چھپ کر تحفۂ نظر احباب ہو چکی
ہیں۔ اب یہ ارادہ ہوا کہ ایک مفید نسخہ لغت کے علم
میں میں ایسے طرز سے لکھا جائے کہ شعراء کو قافیہ اور ردیف
میں ردیف کی تغیر و تبدیل بھی از روئے حروف تہجی ملحوظ
ہے۔ فارسی وعربی و ترکی لغات کے معانی اردو زبان
میں تحریر ہوں چنانچہ پانچ سال کی محنت کے بعد یہ مفید
نسخہ تحریر میں آیا اور بڑی کتابوں برہان قاطع
منتخب رشیدی، صراح اور غیاث وغیرہ سے
استفادہ کیا گیا۔ اور "لغات سروری" نام رکھا گیا۔
اٹھائیس باب پر اس کی تقسیم عمل میں آئی فصلیں
ہر ایک باب کی پہلے حرف تہجی کی رعایت سے جدا
جدا قرار پائیں اور ابواب آخر حروف کے تمام رقائم
ہوئے نشان ہر ایک زبان کا ہر ایک لغت کے
ساتھ تحریر ہوا یعنی جو عربی کی لغت ہے اس کے
ساتھ عین فارسی کے ساتھ فا، ترکی کے ساتھ
تا اور یونانی کے ساتھ یا تحریر ہوا۔
یہ لغات لاہور اور مطبع نولکشور سے کئی
مرتبہ طبع ہو چکی ہے۔

۲۱۔ مخزن حکمت: یہ کتاب اردو نثر و نظم
میں تدوین کی گئی ہے۔ اس میں حکماء متقدمین
ومتاخرین اور فضلاء و صوفیا کے تاریخی حالات
ان کے اقوال اور پند و نصائح کا ذکر ہے چنانچہ
مصنف لکھتا ہے:۔

حمد و ثنا کے لائق وہ قادر بے چوں، صانع گوناگوں
خالق بوقلموں، حق جل علا ذات کبریا، والی بے ہمتا
جس نے ایک کن کے امر سے دونوں جہان زمین و
آسمان، جن وانسان، کل حیوان سب سامان بنایا
قدرت کا جلوہ دکھایا، سب سے اعلیٰ و اشرف
انسان کو کیا عقل کا چراغ اس کے ہاتھ میں دیا
جس کے نور سے انسان کے دل نے روشنی پائی آنکھوں
میں بینائی آئی، حق کو پہچانا، خالق کو بر حق اور حق
کو حق جانا حقیقت کا راستہ پایا اسلام کے امام
حضرت خیر الانام سید ابرار احمد مختار محمد صلی اللہ
وسلم ہیں جن کی ہدایت سے لاکھوں گمراہ سینہ سیاہ
سیدھی راہ پر آئے اور مسلمان کہلائے۔

مفتی غلام سرور نے حمد باری و نعت نبی
کے بعد سبب تالیف کے متعلق اس طرح اظہار
خیال کیا ہے "من بعد احقر المحقر سراپا عیب
خالی از ہنر غلام سرور خلف مفتی الشرع الامجد
مولانا مفتی غلام محمد ولد حقیقت آگاہ مولانا مفتی
رحیم اللہ قریشی ہاشمی سہروردی عرض پرداز ہے کہ
جب کمترین نے پہلی کتابوں گلدستہ کرامات، خزینۃ
الاصفیاء گنج تاریخ کی تحریر سے فراغت پائی تو
مناسب سمجھا کہ ایک اور مختصر کتاب "حکماء متقدمین
ومتاخرین کی تاریخ اور ان کے اقوال و افعال اخلاق
و آداب، نکات و حکایات، حکمت و پند و نصائح
میں جمع کر کے طلباء کو فائدہ پہنچاؤں، دنیا کے فانی
میں اپنے نام سے یہ نشان چھوڑ جاؤں جس کے مطالعہ

سے ہر ایک شائق فیض پائے۔ دیکھنے والا حظ اٹھائے مؤلف کے حق میں دعائے خیر کرے۔ نام اس کا مخزن حکمت رکھا۔ اور تین حصوں میں تقسیم کی۔

پہلا حصہ: قدیم زمانہ کے حکیموں کے احوال، اُن کے وعظ و پند و حکمت و نصائح و اقوال و افعال اور نکات و حکایات حکمت کے بیان میں۔

دوسرا حصہ: اسلام کے ظہور کے بعد کے حکما فضلا اور اُن کے اقوال و افعال و نصائح و حکایات حکمت کے بیان میں۔

تیسرا حصہ: بعض بادشاہوں کے حالات و حکایات و اقوال و افعال و اخلاق و عدل کی تشریح میں" پہلے یہ مخزن حکمت ۱۲۸۸ھ میں دو مرتبہ چھپ کر تحفۂ نظر ارباب بصیرت ہوا۔ پھر ۱۲۹۵ھ میں تصحیح کے بعد مطبع نولکشور سے آٹھ بار حلیۂ طباعت سے آراستہ ہوا

۲۲۔ مدینۃ الاولیاء:۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اولیا و صوفیا کا عام تذکرہ ہے اس میں عموماً وہی تراجم و احوال شامل ہیں جو خزینۃ الاصفیا میں ہیں کتاب اردو زبان میں منثور و منظوم صورت میں ملی جلی تحریر کی گئی ہے مفصل کتاب ہے تقریباً چار سال کے عرصہ میں پایۂ تکمیل کو پہنچی مطبع نولکشور لکھنؤ کانپور و دہلی سے تین مرتبہ شائع ہوئی مگر پھر بھی نایاب ہے۔

مفتی غلام سرور کے آثار و تصانیف کے مطالعہ سے واضح و ہویدا ہے کہ آپ کو مختلف علوم و فنون میں دسترس حاصل تھی، آپ کے بعض تالیف اپنے موضوع کے لحاظ سے نہایت ہی بلند پایہ اور اہم ہیں۔ آپ نے مذہبی مباحث میں کوئی کتاب نہیں لکھی۔ اپنے دماغ و قلم کو شعر و ادب، تاریخ و سوانح اور علم لغت و فرہنگ تک ہی محدود رکھا ہے آپ کی بیشتر تصانیف اردو زبان میں ہیں بعض اردو و فارسی میں ملی جلی تحریر کی گئی ہیں، چند ایک از قبیل خزینۃ الاصفیاء اور گنج تاریخ فارسی میں اور احوال الآخرت پنجابی زبان میں تالیف کی گئی ہے آپ کے تمام منظوم کلام کی زبان نہایت پاکیزہ و شستہ اور فصیح و بلیغ ہے۔ خاص کر مثنوی تحفہ سروری، مثنوی گلشن سروری اور اخلاق سروری جدت ادا، زبان و بیان کی ندرت اور مطالب و معانی کی فراوانی میں اپنی نظیر آپ ہیں، بعض الفاظ و محاورات سے قطع نظر جو اس وقت متروک ہیں، سارے کا سارا کلام اور محاورے اور روزمرہ کے عین مطابق ہے اور آپ نے تمام اصناف شعر اور انواع سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔

مفتی غلام سرور فارسی اردو نثر میں جو کتب و تصانیف حیطۂ تحریر میں لائے اُن کی زبان اور اسلوب بیان بھی مشکل و دشوار نہیں سب کی سب سادہ و رواں نثر میں لکھی ہیں، البتہ بعض جملات و فقرات اس زمانے کے طرز انشاء اور مذاق علمی کے مطابق نثر مرجز و مقفیٰ میں بھی دیکھے جاتے ہیں مگر اس خوبی کے ساتھ کہ نہ تو کلام میں تصنع و تکلف واقع ہوا ہے اور نہ نقص روانی و تعقید معانی نے راہ پائی ہے۔

اردو نثر میں عربی فارسی کے الفاظ وتراکیب بھی بکثرت پائی جاتی ہیں مگر تمام الفاظ وتراکیب اس قدر خوبی وقادر الکلامی کے ساتھ استعمال ہوئی ہیں کہ کہیں ثقاہت پیدا نہیں ہوئی۔

تحفہ سروری اور اخلاق سروری ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں اور ایک ہی رشتہ سے متعلق ہیں۔ یہ تینوں کتابیں اس پایہ کی ہیں کہ مدارس میں داخل نصاب کی جائیں۔ ان کے ذریعہ جہاں طلبہ زبان وبیان کی خوبیوں سے آگاہ ہوں گے وہاں تہذیب اخلاق واعمال کے اسرار ورموز سے بھی بہرہ ور ہوں گے۔ پھر خوبیٔ کلام یہ ہے کہ یہ کتب وتصانیف طلبا واساتذہ دونوں کے لیے یکساں مفید وکار آمد ہیں۔ اگر یہ کتابیں نصاب تعلیم میں شامل کر دی جائیں تو یہ ایک علمی واخلاقی خدمت بھی ہوگی اور مذکورہ کتابیں نایاب ہونے سے بھی محفوظ ہو جائیں گی، اسی طرح جامع اللغات اور زبدۃ اللغات لغت وفرہنگ کی نادر کتابیں ہیں، بہارستان تاریخ اور تاریخ مخزن پنجاب اردو زبان میں اعلیٰ درجہ کی مستند تواریخ میں سے ہیں، اگر ان آثار کتب کو بھی عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق مرتب کر کے مقدمہ وتصحیح وحواشی وتعلیقات کے ساتھ شائع کیا جائے تو یہ بہت بڑی تاریخی وعلمی خدمت ہوگی۔

مزید براں خزینۃ الاصفیا وگنج تاریخ فارسی زبان میں اور حدیقۃ الاولیا ومدینۃ الاولیا اردو زبان میں ایسی نادرہ کتابیں ہیں جو فن تاریخ وسوانح نگاری میں سنگ میل کا درجہ رکھتی ہیں اور برصغیر پاکستان وہند میں آج تک جتنی بھی کتابیں اس فن میں شائع ہوئی ہیں ان سب کے اکثر وبیشتر ماخذ ومنابع یہی کتابیں رہی ہیں۔ اس بنا پر اگر ان آثار وکتب گرانمایہ کی حفاظت کے لیے کوئی موثر قدم نہ اٹھایا گیا تو کچھ عرصے کے بعد یہ تصانیف بھی بالکل ناپید ہو جائیں گی، اس لیے ایک تو ہمارے نشر واشاعت کے اداروں کو ان کتب کے تحفظ کی طرف توجہ دینی چاہیے اور دوسرے خاندان کے ذی علم وصاحب ثروت حضرات پر بھی یہ اخلاقی فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ خاندان کے علمی وادبی وعرفانی وتاریخی نوادرات کی حفاظت ونگہداشت کی طرف اپنی توجہ مبذول کریں تاکہ آباؤ واجداد کے یہ علمی شاہکار محفوظ ومصون ہو کر آئندہ نسلوں کے لیے دلیل راہ بن سکیں۔

یہ تھی مختصر سرگذشت احوال وآثار
مفتی غلام سرور لاہوری جو قارئین کرام
کی خدمت میں پیش کی گئی۔

باعث افسوس ہے کہ آپ مختلف
علوم وفنون میں صاحب آثار بزرگ ہونے
کے باوجود تاحال گوشۂ گمنامی
میں رہے۔

"المرشد" مذہبی، اخلاقی، ادبی اور علم تصوف وسلوک کا رسالہ ہے، اس کا مطالعہ سب کیلئے ضروری ہے

تحریر: حافظ عبدالرزاق ایم اے

(۲)

احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

(۶) عن ابی هریرہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سبق المفردون قالوا وما المفردون یارسول اللہ قال الذاکرون اللہ کثیرا والذاکرات مسلم

حضرت ابوہریرہؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں "مفرد، بازی لے گئے۔ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ! مفرد کون ہیں۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور عورتیں"

مفرد سے مراد وہ لوگ ہیں جو معاشرے کی آلائشوں سے بچتے ہوئے اللہ سے لو لگائے یوں زندگی بسر کرتے ہیں جیسے وہ اس ماحول کیلئے اجنبی ہوں اور طاعات اور قرب الٰہی اور محبت کا وصف ان میں نکھرتا چلا جاتا ہے۔ مگر صحابہؓ کے پوچھنے پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مفردون کی علمی یا اصلاحی تفصیل نہیں فرمائی بلکہ اس ذریعہ کی نشاندہی فرمائی جس سے یہ وصف پیدا ہوتا ہے اور وہ ذریعہ کثرت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا ہے اس سلسلے میں اللہ کے دین کسی خاص جنس سے مختص نہیں بلکہ مرد ہو یا عورت جو بھی اللہ کو کثرت سے یاد کرے اللہ اس کے اندر یہ وصف پیدا کر دیتا ہے جب یہ وصف پیدا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ سب سے سبقت لے جاتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ حضورؐ کا جواب نہایت حکیمانہ ہے۔

(۷) عن انس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تقوم الساعة حتی لا یقال فی الارض اللہ اللہ وفی روایة قال لا تقوم الساعة علی احد یقول اللہ اللہ (مسلم)

حضرت انسؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب اللہ اللہ کرنے والا ایک فرد بھی دنیا میں موجود ہوگا قیامت نہیں آئے گی۔

جسم کے قیام کا انحصار روح کے موجود ہونے پر ہے، جونہی روح جسم سے جدا ہوئی جسم بے کار ہو گیا۔ لہذا اب اس کا باقی رکھنا فضول ہے اسی طرح معلوم ہوتا ہے کہ کائنات کی روح اللہ کا ذکر ہے جب ذکر کرنیوالا کوئی نہ رہا تو کائنات بے کار ہو گئی لہذا اس کا رکھنا بے مقصد ہوا اس لیئے فرمایا کہ جب ذکر الٰہی کرنے والا روئے زمین پر کوئی نہ رہے گا یہ نظام ختم کر دیا جائے گا اسی کو قیام قیامت کہتے ہیں۔

دوسری روایت میں ہے کہ جب تک ایک آدمی بھی اللہ اللہ کرنے والا موجود ہوگا قیامت برپا نہیں ہوگی۔ اس سے ذکرِ الٰہی کی برکات کا اندازہ ہوتا ہے۔

اس سے ایک اور نکتہ معلوم ہوتا ہے آیت قرآنی۔

انا سخرنا الجبال معہ یسبحن بالعشی والاشراق والطیر محشورۃ کی تفسیر میں علماء فرماتے ہیں کہ "جیسے پانی کے تالاب میں ایک بھاری پتھر پھینکا جائے تو اس جگہ لہریں اٹھتی ہیں اور لہریں پھیلتے پھیلتے تالاب کے کناروں تک پہنچ جاتی ہیں اسی طرح جب ایک مومن خلوص اور محبت کی قوت سے ذکرِ الٰہی کرتا ہے تو اس سے انوار و برکات کی لہریں پیدا ہوتی ہیں اس کے قریب کے دشت و جبل حجر و شجر میں تسبیح و تہلیل کا جوش پیدا ہوتا ہے اور تمام ماحول ذاکر ہو جاتا ہے اور ذکر جب روح کائنات ہے تو اس ایک ذاکر کی وجہ سے کائنات کا وجود قائم رہتا ہے اس ذکر میں خلوص و محبت کی قوت جتنی زیادہ ہوگی اسی تناسب سے وسیع کائنات میں ذکر کے انوار پھیلیں گے اور کائنات کا ذرہ ذرہ ذاکر رہے گا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ذکر کی ایک فرد اللہ اللہ کہنے کو بیان فرمایا اور اس پر کائنات کے بقا کا مدار بیان فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ ذکر اسم ذات ذکر الٰہی کی اہم ترین فرد ہے۔ واذکر اسم ربک وتبتل الیہ تبتیلا سے اسی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔

- جہاد، اشاعت اسلام کے لئے مقرر نہیں ہوا، بلکہ حکومت اسلام قائم کرنے کے لیے شروع ہوا۔

- حزن سے جس قدر جلد مراتب سلوک طے ہوتے ہیں مجاہدہ سے اس قدر جلد طے نہیں ہوتے۔

- اسلام نہ ترک تعلقات کی تعلیم دیتا ہے نہ انہماک فی الدنیا کی اجازت دیتا ہے بلکہ تعلقات میں اختصار کی تعلیم دیتا ہے

(ا۔ع۔ت)